اُردو شاعری کا ماحولیاتی مطالعہ

عبداللہ نعیم رسول

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

عبداللہ نعیم رسول

سلسلہ اشاعت: 120

تاریخ اشاعت: جون 2023ء

قیمت: =/ 600 روپے

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں:

نام کتاب: اردو شاعری کا ماحولیاتی مطالعہ

مصنف: عبداللہ نعیم رسول

کمپوزنگ: ''ماہوزا'' کمپیوٹر کمپوزنگ، فیصل آباد

تزئین: علی حسن زیدی

نظرِ ثانی: ڈاکٹر شاکر کنڈان

سرِورق: زیدی

بائنڈنگ: محمد رضوان اصغر 0300-8677908

مطبع: زیدی لیزر پرنٹنگ، فیصل آباد 0300-6619124

ناشر: عقیدت پبلی کیشنز، سرگودھا

رابطہ: 03043839675

اہتمام: اہلِ قلم کا اشاعتی ادارہ

_____O_____

انتساب

ڈاکٹر غلام عباس

اور

ڈاکٹر خالد ندیم

کے نام

جنھوں نے مجھے اس کام کی تحریک دی

فہرست ابواب

_____O_____

بِسمِ اللہ

هم ایسے اهلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لئے
اگررسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

جوش نے توصرف صبح کے حسین ودل کش منظرکودیکھ کرہی یقین کرلیا تھا کہ اللہ ربّ العزت نے صبح ہی اتنی خوبصورت بنائی ہے کہ اُس کی ذاتِ اقدس کوتسلیم کرنے کے لئے کسی اور ثبوت کی ضرورت ہی نہیں۔اگر چہ یہ ایک حقیقت ہے لیکن اتنی وسیع کائنات کی ہر شے اس حقیقت کی گواہی دے رہی ہے کہ ''کوئی ہے جواس کائنات کووجود میں لایااوراسے استحکام بخشاہوٗاہے''۔ہم کائنات کا سب سے چھوٹاعنصر ذرہ کوکہتے ہیں۔لیکن سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ذرہ کے اندرایک مزید چھوٹاذرہ ہوتاہے جسے جوہری ذرہ کانام دیا گیاہے۔اس ذرے کواگرتوڑاجائےتواس میں الیکٹرون، پروٹون اور نیوٹرون بہت بڑی تعداد میں ہوتے ہیں جواپنے اورایک دوسرے کے اردگرد چکر کاٹ رہے ہوتے ہیں۔یہ ایک ذرہ ٹوٹ کر دنیامیں تباہی پھیلاسکتاہے۔جس کاایک ادنیٰ سامظاہرہ دوسری جنگِ عظیم میں لوگوں نے ہیروشیمااورناگاساکی میں دیکھا۔گویااِس نظرنہ آنے والے ذرے سے لے کر کائنات کی لاانتہاوسعت تک جوکچھ ہم دیکھتے ہیں کیااس کے بعدبھی اس ذات کوتسلیم کرلینے میں کوئی شک کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے جس نے اس کائنات کووجود بخشا۔اللہ تعالیٰ حق سبحانہٗ نے یہ ارضی اور سماوی جوکائنات تخلیق فرمائی ہے اس میں ہمیں کہکشاں،چاند،ستارے،سیارے،سورج،سمندر،دریا، آبشاریں،باغات،کھیت،فصلیں،جنگلات،پہاڑ اور ایسے ان گنت مظاہر جو ہمارا ماحول ہے نیز دیکھنے کے لئے بصارت،مشاہدہ کے لئے بصیرت،سوچنے کے لئے دل ودماغ اورسمجھنے کے لئے عقل و شعورعطافرمائے ہیں۔گویاآدم کوعدم سے وجود میں لانے کا مقصداسے بصارت اور بصیرت عطافرما کراپنی یہ تخلیقات دکھانااوران پرغورکروانا تھا۔مجھے اپناایک شعریادآرہاہے:

اس نظمِ ہست و بود کا شاہد کوئی تو ہو
لی مشتِ خاک، دم کیا، آدم بنا دیا

یہ سارا ماحول جو اُس ذاتِ واحد نے ہمارے اردگرد پھیلا دیا ہے اور سامنے رکھا ہے یہ خارج ہے جسے ہم ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن اس خارج کے اندر جو داخل ہے اس کو خارج میں لانے کے لئے اُس وحدہٗ لاشریک نے ہمیں جو عقل وشعور عطا فرمایا ہے اُسے استعمال کرتے ہیں ۔اس میں مطالعہ و مشاہدہ ہماری اعانت کرتے ہیں ۔یوں ہمیں اچھے اور برے کی پہچان ہوتی ۔مطالعے کے اس پراسس میں ہماری سب سے زیادہ رہنمائی قرآنِ مجید فرماتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جہاں کائنات کو سمیٹ دیا ہے وہاں ماحول اور ماحولیات پر بہت سی آیات نازل فرما کر اس سلسلے میں بھی ہمیں اپنی رہنمائی عطا فرمائی ہے ۔جن کا احاطہ کرنا کم از کم میرے بس کی بات نہیں ۔اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ)

''اور وہ زبردست (اور) بخشش والا ہے 0 وہ جس نے سات آسمان تلے اوپر بنائے 0 پھر دوبارہ نگاہ اٹھا کر دیکھ تیری نظر تھک کر خیرہ ہو کر ناکام تیری طرف لوٹے گی 0 اور بے شک ہم نے نیچے والے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا اور ہم نے اُن کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کیا 0 [۱]

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

(ترجمہ)

''اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور ان کو دیکھنے والوں کے لئے (ستاروں سے) مزین کیا ہے 0 اور ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا 0 مگر جو چھپ کر سننے جائے اس کے پیچھے دہکتا ہوا انگارا پڑتا ہے 0 [۲]

ان آیات کو اگر ماحولیات کے تناظر میں مطالعہ کریں تو ہمیں آگاہی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سماوی تخلیق آسمان اور ستاروں کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ شیاطین جب اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ستارے آگ کے عذاب سے انہیں مار بھگاتے ہیں ۔دراصل شیاطین آسمان کے ماحول کو خراب نہیں کرنا چاہتے اور انہیں اس بات کا علم بھی ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے کیوں کہ انہیں تو آسمان سے دھتکارا گیا ہے اور وہاں جانے کی اجازت ہی نہیں لیکن دھتکارے جانے کے موقعہ پر اس ابلیس نے زمین پر بسنے والوں کو قیامت تک بہکانے اور رستے سے ہٹانے

کی مہلت مانگ لی تھی۔پس ہمیں ان آیات کے مفہوم کو حضور نبی مکرم ﷺ کی اس حدیثِ مبارکہ کو سامنے رکھ کر سمجھنا ہوگا۔حضرت امام بخاری لکھتے ہیں:

''ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عینیہ نے ،اُن سے عمرو بن دینار نے ،اُن سے عکرمہ نے اور اُن سے حضرت ابو ہریرہؓ نے نبیِ کریم ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:'جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو ملائکہ عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے کہ جیسے کسی صاف چکنے پتھر پر زنجیر کے (مارنے) سے آواز پیدا ہوتی ہے۔اور علی بن عبداللہ المدینی نے بیان کیا کہ سفیان بن عینیہ کے سوا اور راویوں نے صفوان کے بعد یَنۡفُذُهُمۡ ذَلِکَ (جس سے اُن پر دہشت طاری ہوتی ہے) کے الفاظ کہے ہیں۔پھر اللہ پاک اپنا حکم فرشتوں کو پہنچادیتا ہے۔جب ان کے دلوں پر سے ڈر جاتا رہتا ہے تو دوسرے دور والے فرشتے نزدیک والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں، پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا ہے؟نزدیک والے فرشتے کہتے ہیں، بجا ارشاد فرمایا اور وہ اعلیٰ ہے سب سے بڑا۔فرشتوں کی یہ باتیں چوری سے بات اڑا لینے والے شیطان پالیتے ہیں۔یہ بات اڑانے والے شیطان اوپر تلے رہتے ہیں (ایک پر ایک)۔سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ایک پر ایک کر کے بتلایا، کہ اس طرح شیطان اوپر تلے رہ کر وہاں جاتے ہیں۔پھر بھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔فرشتے خبر پا کر آگ کا شعلہ پھینکتے ہیں۔وہ بات سننے والے کو اس سے پہلے جلا ڈالتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے والے کو بات پہنچا دے۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شعلہ اس تک نہیں پہنچتا اور وہ اپنے نیچے والے شیطان کو وہ بات پہنچا دیتا ہے۔وہ اس سے نیچے والے کو۔اس طرح وہ بات زمین تک پہنچا دیتے ہیں۔یہاں تک کہ وہ بات زمین تک آ پہنچتی۔(کبھی سفیان نے یوں کہا) پھر وہ بات نجومی کے منھ میں ڈالی جاتی۔وہ ایک بات میں سو باتیں

جھوٹ اپنی ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے۔اس کی کوئی کوئی بات سچ نکلتی ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو! اس نجومی نے فلاں دن ہم کو یہ خبر دی تھی کہ آئندہ ایسا ایسا ہوگا اور ویسا ہی ہوُا۔اس کی بات سچ نکلی۔یہ وہ بات ہوتی ہے جو آسمان سے چرائی گئی تھی۔‘‘[۳]

نجانے کیوں مجھے علامہ محمد اقبالؒ کی نظم ’’جبریل اور ابلیس‘‘ کے کچھ اشعار یاد آ رہے ہیں:

حضرت جبریلؑ: ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو

ابلیس: آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سر مست مجھ کو ٹوٹ کر میرا رفو
اب یہاں میری گزر ممکن نہیں ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالمِ بے کاخ و کُو
جس کی نومیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات
اس کے حق میں تقنطو اچھا ہے یا لاتقنطو !

حضرت جبریلؑ: کھو دیئے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند
چشمِ یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

قرآنِ مجید کی آیات کے مندرجہ بالا ترجمے سے ہمیں ماحول کا جہاں پتا چلتا ہے وہیں ماحول کو خراب کرنے والے عناصر سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سارا کیا دھرا شیطان کا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے لی ہوئی مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم (انسانوں) کو جاہلیت کے اس مقام پر لے آتا ہے کہ ہم ماحول کو پراگندہ کر دیتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی سورہ الرحمٰن اور دیگر بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہمیں ماحول کے حسن و جمالیات سے آگاہ کرتے ہیں۔سورۃ الحجر میں فرمانِ ربّ العٰلمین ہے۔(ترجمہ)

’’اور ہم نے ہی زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈالے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی O اور ہم نے اس میں

تمہارے لئے روزی کے سامان کر دیئے 0اوران کے لئے بھی جن کے
رزق دینے والے تم نہیں ہو اور ایسی کوئی چیز نہیں جس میں (بے شمار)
خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اسے صرف ایک معین اندازے سے
ہی اتارتے ہیں 0اور ہم نے بادل سے بوجھل ہونے والی ہوائیں بھیجیں
پھر آسمان سے ہم نے پانی اتارا پھر ہم نے وہ تم کو پلایا حالاں کہ تم اس
کے خزانچی نہیں ہو0اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے
ہیں آخر کار (مالک و) وارث بھی ہم ہی ہیں 0اور بے شک ہمیں معلوم
ہے جو تم میں (عملوں میں) آگے بڑھے اور بے شک ہمیں وہ بھی معلوم
ہے جو تم میں پیچھے رہے0[۴]

اللہ تعالیٰ جلّ شانہ، نے صرف حسین و جمیل تخلیقات سے ہی کائنات کو نہیں سجایا بل کہ اس کی حفاظت کا سامان بھی بہم پہنچایا۔ اور ایک ایسا نظام بنا دیا جس کو اپنے تحت حرکت میں رکھا۔ اور ارشاد فرما دیا کہ ''سورج اور چاند مقررہ حساب سے حرکت کر رہے ہیں''۔ شیطان کی مرضی کے مطابق انسان کے ہاتھوں ماحول کو خراب کرنے پر اس ماحول کو صاف اور صحیح رکھنے کے طریقوں کو بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے انسان کو بتلا دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہیں شجر کاری کو صدقہ قرار دیا تو کبھی پانی کو ضائع کرنے سے منع فرما دیا۔ کبھی گندگی نہ پھیلانے کا حکم دیا تو کبھی ہر اس عمل سے اجتناب کے بارے صادر فرما دیا جس کا حسن خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔

بہر حال قرآنِ مجید کی بہت سی آیات۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام کے اعمال ہمیں اللہ تعالیٰ کی حسین و جمیل کائنات اور اپنے ماحول کو پاک صاف رکھنے کے لئے رہنمائی کرتے ہیں۔

زیرِ نظر تحریر میں جدید علوم کی روشنی میں انہی نکات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ماحول کیا ہے؟ ماحولیات کیا ہے؟ زمینی، فضائی اور آبی آلودگی کیا ہے۔ اس کائنات کو خراب ہونے سے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟ اسلام میں صفائی کیوں نصف ایمان قرار دی گئی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

زیرِ نظر کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ شعراء کرام نے ماحولیات کو کس نظر سے دیکھا اور اسے کیسے اپنے شعروں میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی۔ یہ موضوع اگر چہ بہت طوالت کا خواہاں ہے

لیکن مقصد کو محور بناتے ہوئے عبداللہ نعیم رسول نے جس طریقے سے تحریر کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔اس نے جس سلیقے سے ماحولیات کی تفہیم ،ماحولیات کی اقسام،تحفظِ ماحول کی تجاویز،تحفظِ ماحول کے حوالے سے کام کرنے والے ادارے اور تحریکیں،ماحولیاتی تنقید کا آغاز اور ارتقا پر جس انداز سے بحث کی گئی ہے میرے خیال کے مطابق یہ بہت مشکل کام تھا لیکن خوش اسلوبی سے نباہا گیا اور مختصر نویسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے جو اسلوب اپنایا ہے وہ اسے انفرادیت کے مرتبے پر لے آیا ہے۔ویسے بھی ماحولیات کے حوالے سے جو کام ہوا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے اور خاص طور پر شعرا کی نظر سے اسے بالکل نہیں دیکھا گیا حالاں کہ اردو شاعری ایسے حوالوں سے بھری پڑی ہے جو ماحولیاتی تناظر اور منظر کو پیش کرتے اور آ گہی دیتے ہیں ۔ یہ کام صرف شاعری کے حوالے سے ہی نہیں بل کہ بنیادی مباحث کو بھی واضح کرتے ہیں اور ماحولیات کو سمجھنے میں معاونت کرتے ہیں۔

یہ ایسا موضوع ہے جو غالباً پہلی بار منظر و پس منظر اور وجوہات و تجاویز کے ساتھ اردو ادب میں سامنے آیا ہے لہٰذا اس کامیاب نگارش پر عبداللہ نعیم رسول کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور اور اردو ادب میں ماحولیات پر لکھی جانے والی اوّلین کتب میں ''اردو شاعری کا ماحولیاتی مطالعہ'' کو شامل کرتے ہوئے ایک مسرت کے احساس کے ساتھ محقق کے حق میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے مزید کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہم کنار فرمائے۔آمین ثم آمین

ڈاکٹر شاکر کنڈان

۳۴۰ غوث گارڈن،سرگودھا

---

(۱)۔ القرآن: سورۃ الملک، ۲ تا ۵

(۲)۔ القرآن: سورۃ الحجر، ۱۶ تا ۱۸

(۳)۔ بخاری شریف، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۴۷۰۱

(۴)۔ القرآن، سورۃ الحجر، ۱۹ تا ۲۴

ماحولیاتی تنقید: مفہوم اور دائرہ کار

ماحولیات، معنی و مفہوم:

زمین پر زندگی کے آغاز کے ساتھ ہی زمینی ماحول کا آغاز ہو گیا تھا، جہاں آدم و حوا کے علاوہ جانور، پرندے اور حشرات الارض موجود تھے، جس کے اشارے ہمیں قدیم صحائف اور یونان کے علما کے ہاں ملتے ہیں۔ یونان کے ایک فلسفی تھیو فراسٹس (Theophrastus) (371BC-287BC) نے پہلے پہل جانداروں کے ماحول پر بحث کی۔ بعد ازاں یہ علم Ecology کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔

Eco کا مادہ Oikos ہے، جو یونانی زبان کا لفظ ہے، جس کا انگریزی متبادل house / household ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو Ecology کا مطلب گھریلو مطالعہ یا رہائش کا مطالعہ ہو گا۔ ماحولیاتی مطالعہ کے لیے انگریزی میں Ecological study کا لفظ مستعمل ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹینکا کے مطابق یہ اصطلاح (ایکولوجی) جرمن ماہرِ حیوانیات ارنسٹ ہیکل (Haeckel Earnest, 1843 -1919) کی اختراع ہے۔ ارنسٹ ہیکل ایکولوجی (Ecology) کا اطلاق جانوروں کے نامیاتی اور غیر نامیاتی ماحول پر کرتا ہے۔ جبکہ امریکی و یورپی ماہرین نباتیات Ecology کا اطلاق پیڑ پودوں اور ان سے متعلقہ عوامل (ساخت، تقسیم، افزائش وغیرہ) پر کرتے ہیں۔

اردو زبان میں Ecology کے لیے 'ماحولیات' کی اصطلاح مستعمل ہے۔ ماحول سے مراد آس پاس کی اشیا (surroundings) ہیں۔ مثلاً اگر ہم ایک کلاس روم میں بیٹھے ہیں تو اس میں موجود کرسیاں، میز، بورڈ، بلب، پنکھے، کھڑکیاں دروازے وغیرہ کلاس کا ماحول کہلائے گا۔ عموماً ماحول کے لیے Environment کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ Environment فرانسیسی زبان سے ماخوذ لفظ ہے، جان بیری کے مطابق:

The environment can mean everything that surrounds everthing that exists...The roots of the term'environment' lie in the French word environ which means'to surround''to envelop',to enclose.'(1)

Environment کی اصطلاح غیر جانداروں اور فطرت کے لیے مستعمل ہے مگر Ecology میں فطرت کے ساتھ ساتھ جانداروں کے تفاعلات کا بیان بھی ہوتا ہے، گویا Ecology پیچیدہ ہے Environment سے۔علاوہ ازیں اردو لفظ ماحول کسی مقام،علاقے اور صورتِ حال کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے مگر ماحولیاتی سائنس(Environmental Science) میں ماحول سے مراد کسی مقام کی آب و ہوا ہے۔

روزِ اول سے چار بنیادی عناصر (components) موجود ہیں۔ یہ عناصر پانی، ہوا، مٹی اور آگ ہیں۔ماحول انھی عناصر کے توازن سے برقرار ہے، اگر قدرتی عناصر کا توازن بگڑ جائے تو نظامِ کائنات تباہ و برباد ہو جائے۔اسی حوالے سے چکبست کا کہنا ہے:

زندگی کیا ہے، عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے، انھی اجزا کا پریشاں ہونا

یہی بنیادی طبعی ماحول ہے اور ماحولیات انھی مذکورہ عناصر کے گرد گھومتی ہے۔زمین میں مختلف گیسوں اور مائع سے ملی جلی مٹی شامل ہے۔تازہ اور صاف ہوا انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی زندگیوں کی ضامن ہے۔اس میں ایسی گیسیس شامل ہوتی ہیں، جو کسی بھی زندگی کے لیے لازم ہیں۔زمین کا 70 فیصد سے زائد حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ پانی کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ یہ چوٹیوں پہ برف کی صورت اور زیرِ زمین بصورتِ ذخیرہ موجود ہے۔علاوہ ازیں روشنی اور حرارت بھی ہمارے ماحول کے بنیادی اجزائے ترکیبی ہیں۔سورج، روشنی اور حرارت کا فطرتی ذریعہ ہے۔ روشنی میں انسان کام کاج کرتے اور نباتات اپنی خوراک تیار کرتے ہیں۔انسان سمیت باقی جاندار ایک خاص درجہءحرارت میں زندہ رہ سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ جاندار سردی میں گرم مقامات کا رخ اور گرمی میں سرد مقامات کا رخ کرتے ہیں۔

کائنات کی تخلیق کے آغاز کے بارے میں کئی نظریات موجود ہیں، جن کا تعلق بنیادی ماحولیاتی عناصر سے ہے۔ ان میں سے ایک معروف نظریہ جارجز لمیٹر (Georges

(Lemaitre) کا بگ بینگ تھیوری (Big Bang Theory) ہے، جس کے مطابق تمام مادہ ایک ایٹم کی مانند تھا۔ وہ ذرہ/ ایٹم/ اکائی (minute cosmic egg) اچانک ایک دھماکے سے پھٹ پڑا جس سے کائنات کے وجود کا آغاز ہوا۔ کلام مجید اس کی وضاحت یوں کرتا ہے ''آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے، پس ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا''(2)۔ اس دھماکے سے ہر طرف دخان (دھواں/ گیس) پھیل گیا جس کے نتیجے میں سیارے، ستارے، سورج اور کہکشائیں وجود میں آئیں۔ ایڈوِن ہبل (Edwin Hubble) نے 1929ء میں نیوٹن کے جمودِ کائنات کے نظریے کے برعکس کائنات کے حرکت پذیر اور مسلسل پھیلاؤ کا نظریہ پیش کیا تھا۔ جسے اقبال نے ایک شعر میں یوں بیان کیا:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کُن فیکوں (3)

ماحولیات بنیادی عناصر اور ان کے نتیجے میں ہونے والی تخلیقات (زندگیوں) اور (ایٹم کے پھٹنے سے اخراج شدہ) گیسوں (اور مرکبات) سے متعلق علم ہے۔

ماحول کے اجزائے ترکیبی میں مذکورہ بے جان عوامل کے علاوہ دوسرے عوامل یعنی جاندار بھی شامل ہیں، مثلاً پودے، جانور اور خوردبینی جاندار۔ دونوں طرح کے عوامل مل کر ماحول بناتے ہیں۔

ماحولیات میں ایک اصطلاح کرہ حیات (bio sphere) رائج ہے، جس سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے، جہاں زندگی کا وجود ممکن ہو۔ یہ سمندروں کی تہہ سے پہاڑیوں کی بلندیوں تک کا علاقہ ہے۔ لیتھوسفیر (lithosphere)، ایٹموسفیر (atmoshpere) اور ہائیڈروسفیر (hydrosphere) کے علاقے اس میں شامل ہیں۔

ابتدائی معاشرتی صورتِ حال بہت محدود تھی، جبکہ آج کا معاشرہ اتنا پھیل چکا ہے کہ عالمی سطح پر آبادی کو کم کرنے کے منصوبے زیرِ بحث ہیں۔ اس پھیلتے معاشرتی دائرے نے ماحول کو کئی طرح کی تبدیلیوں سے نوازا، جس کے باعث جہاں ماحولیات کے معنی میں وسعت آئی وہیں اس کا دائرہ بھی بڑھا۔ بریٹینکا انسائیکلو پیڈیا میں ماحولیات کی تعریف کے ساتھ ساتھ واضح طور پر اس کے دائرہ کار کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

Ecology, also called bioecology, bionomics, or environmental biology, study of relationship between organisms and their environment. Some of the most pressing problems in human affairs, expanding population, food scarcities, environmental pollution including global warming, extinctions of plant and animal species, and all the attendant sociological and political problems-are to a great degree ecological.(4)

انسائیکلو پیڈیا بریٹنیکا میں مذکورہ ماحولیات کے دائرہ کار کے مطابق ماحولیات حیاتیات، آبادی میں اضافے، غذائی قلت، بڑھتا درجہ حرارت، پودوں اور جانوروں کے خاتمے کے علاوہ سیاسی وسماجی مسائل کو بھی ماحولیاتی مسائل قرار دیا گیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ آخرالذکر مسئلے کا تعلق بنیادی طور پر عمرانیات سے ہے، البتہ اس میں کہیں کہیں (علت و معلول کے طور پر) ماحولیاتی عکس نظر آتا ہے۔

قدرتی آفات ماحول کو بہت سی تبدیلیوں سے دو چار کرتی ہیں۔ موسلا دھار بارشیں سیلاب کی صورت اختیار کرتی ہیں، جس سے سماج میں کام کاج کی باقاعدگی متاثر ہوتی ہے، اسی طرح زلزلہ بھی اس کی ایک مثال ہے۔ چلی میں 1960ء میں آنے والا زلزلہ دنیا کا شدید ترین زلزلہ تھا، جس سے کثیر عمارتیں مسمار ہونے سے 20 لاکھ افراد بے گھر ہو گئے، متعدد ساحلی قصبے سونامی کی لپیٹ میں آئے اور 5000 افراد ہلاک ہوئے۔ بہت سے شہروں سے بجلی کا رابطہ منقطع ہوا۔ کئی علاقے زیرِ آب آ گئے، جس کی وجہ سے گھروں سے نکلنا دشوار ہو گیا۔ 1970ء میں مشرقی پاکستان میں آنے والا بھولا طوفان (cyclone) مہلک ترین طوفان تھا، جس میں چھتیس لاکھ افراد سے زیادہ تعداد متاثر ہوئی۔ 1991ء میں مغربی ترکی میں خوفناک زلزلے کے نتیجے میں 17000 افراد ہلاک اور 250000 افراد بے گھر ہوئے۔ اپریل 2020ء میں ایران میں موسلا دھار بارش سے 21 افراد جاں بحق اور 22 افراد زخمی رپورٹ ہوئے۔ حال ہی میں آسٹریلیا میں موسلا دھار بارش نے گزشتہ تیس سالہ ریکارڈ توڑ دیا۔

ماحولیات نہ صرف ایسے قدرتی آفات کی وجہ سے در آنے والی ماحولیاتی تبدیلیوں کو زیرِ بحث لاتی ہے بلکہ فطری نظام میں خرابی اور بگاڑ پیدا کرنے میں انسان کا کردار بھی اس کا موضوع ہے۔ قحط سالی یا بارشوں میں سیلابی صورت حال اور اس کے نقصانات کے تناظر میں انسان

ساز ماحول کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً جنگلات کی کٹائی اور پانی کے ضیاع سے عالمی درجہ حرارت بڑھا، جو انسانی فعل ہے۔

ماحولیات اور دیگر علوم:

ماحولیات کا تعلق دیگر کئی علوم سے ہے۔ یہ (ماحولیات) مختلف علوم کے مختلف پہلوؤں سے کہیں تو میل کھاتا ہے اور کہیں اختلاف رکھتا ہے۔ یوں ہم دیکھتے ہیں تو ماحولیات کا کینوس وسیع سطح پر دکھائی دیتا ہے۔

ماحولیات سے قریب تر مضمون سماجیات ہے، البتہ ماحولیات اور سماجیات میں فرق ہے۔ بشارت علی قریشی لکھتے ہیں" آب و ہوا، پانی، رطوبت اور سردی گرمی کے غیر معمولی تغیرات بھی معاشرے پر اثر ڈالتے ہیں، ان کے عروج و زوال میں منجملہ اور باتوں کے، ان کا بھی اثر لازمی طور پر پڑتا ہے" (5)۔ مذکورہ تحریر میں ماحولیاتی عناصر کے معاشرے پر اثرات کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ گویا 'معاشرے یا سماج پر ماحول کے اثرات' سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سماج اور ماحول دو الگ الگ مضمون ہیں۔ انہیں ایک دوسرے میں ضم نہیں کرنا چاہیے، البتہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے، مثلاً غلاظت سے بیماریوں کا جنم لینا، دھوئیں سے جانداروں کے نظامِ تنفس کی خرابی، ٹیکنالوجی سے ہر نوع کی حیات پر نقصانات، طاعون اور کرونا وائرس سے سماجی میل جول میں غیر معمولی حد تک کمی واقع ہونا۔ سماجیات انسانوں سے وابستہ علم ہے، جس میں انسان کے ہاتھوں واقع ہوتی تبدیلی و ارتقا کا جائزہ لیا جاتا ہے، جبکہ ماحولیات، ماحول کے عناصر اور تمام جاندار (انسان، جانور، حشرات، نباتات وغیرہ) سے متعلق علم ہے، جس حوالے سے قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے۔

ماحولیاتی مفکرین عالم گیریت، آزادانہ تجارت اور عالمی ترقی کو بھی اپنے نظامِ تنقید کا حصہ بناتے ہیں۔ یوں اس کے ڈانڈے سماجیات اور مارکسیت سے جا ملتے ہیں، جو غالب نظام کو ماحولیاتی تباہی کا سبب گردانتے ہیں۔ سماجی تحریکوں میں ایک بڑی تحریک مارکسزم (Marxism) ہے۔ ماہرین ماحولیات سماجی حوالے سے مارکسی نظریے کو ترجیح دیتے ہیں۔ سماجی ماحولیات (social ecology) اور ماحولیاتی مارکسیت (eco-marxism) نظریات، ماحولیاتی تبدیلی کو سماجی نظام کی تبدیلی سے مشروط سمجھتے ہیں۔ اس نظریے کے مطابق ماحول میں خرابی کی وجہ غلبے کا نظام ہے۔ اسے سماج میں طبقاتی کشمکش یعنی پرولتاری اور بورژوا طبقات کی

تقسیم ناگوار ہے، ماحولیاتی مارکسیت سماج میں معاشی مساوات کی طرفدار ہے۔ اس نکتے پر ماحولیاتی تنقید مارکسزم سے قریب ہوجاتی ہے۔حکمران ممالک زیرِ دست خطوں اور ریاستوں سے خزانے نکال کے اپنے مفادات پورے کرتے ہیں) جیسا کہ انگریزوں نے کیا(۔صارفیت پسندی کا نظریہ بھی اس ذیل میں شامل ہے۔اس وقت امریکہ دنیا کا صارف ترین ملک ہے۔پہلی دنیا کے لوگ اپنے کچرے اور آلودگی کا نشانہ(سمندروں اور دریاؤں کے ذریعے) تیسری دنیا کو بناتے ہیں۔نئی تبدیلیاں، سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی پرولتاری طبقے کے ہاتھوں ہوئی۔اس طبقے نے زیادہ کی ہوس میں جنگلات کی کٹائی کی صورت معیشت کو تباہ کیا(اب عام عوام جنگلات سے فوائد حاصل نہیں کرسکتی)،گویانئی ثقافت کو اس طبقے نے رواج دیا جو مزدوروں (غریب طبقے) کا استحصال کرتا ہے، اسی نے فطری نظام کو تباہ کیا اور مصنوعی نظام کا خالق بنا،لہٰذا ماحولیاتی تباہی سے بچنے کے لیے ماحولیاتی مارکسیت مساواتی نظام کے نفاذ کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

کورونا وبا(Covid19) کے باعث محنت کشوں کی زندگیاں خطرے سے دوچار ہوئیں۔ اسٹاک مارکیٹیں منہدم،کمپنیاں دیوالیہ، بے روزگاری، مزدوروں کی نوکریاں ختم ، تعلیمی سلسلے تعطل کا شکار حتیٰ کہ اس وبا نے معاشرے کو ہر طرح سے اپنے حصار میں لے لیا،لیکن حکومتوں نے آغاز میں بجائے وبا کے تدارک واثرات پر توجہ دینے کے منافع خوری کی اور صحت کے بجائے پیداوار کو اہم سمجھا۔

سماجی وسیاسی معاملات ماحول پر کس قدر اثر انداز ہوتے ہیں،اس کا اندازہ ستلج وبیاس کے آبی بحران سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔طاقتور اقوام کی طرف سے کم طاقتور یا کمزور اقوام پر مظالم اس کی واضح مثالیں ہیں۔شہر کاری بھی ماحولیاتی مسائل کو بڑھانے میں پیش پیش ہے۔لوگوں کی گاؤں اور قصبوں سے شہروں کی سمت منتقلی کا رجحان پوری دنیا میں عام ہو چکا ہے۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ صحت کے مسائل بڑھتے چلے جارہے ہیں، جس کا سبب صحت مند ماحول کا میسر نہ ہونا ہے۔بعض وبائیں ایسی ہوتی ہیں، جن کو روکنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا مثلاً طاعون۔البتہ ان کے پھیلاؤ میں کمی انسان کے اختیار میں ہوتی ہے۔ 2019ء میں چین کے علاقے ووہان سے پھوٹنے والا وائرس،کورونا کے باعث پوری دنیا کا نظام سماج و معیشت خسارے کے گڑھے کی نذر ہوا۔اچانک ظاہر ہوتی کرونا وبا عالمی سطح پر بُرے نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔کورونا کے باعث مارکیٹ میں ماسک، سینیٹائزرز،ادویات،وِنٹی لیٹرز وغیرہ کی کمی

کو شدت سے محسوس کیا گیا۔عالمی جنگوں کے نتائج کے بعد بھی انسانی صحت کے اداروں پر کوئی خاطر خواہ کام نہیں ہوااور اکثر ادارے کاروبار کرنے لگے ۔انھیں مرض اور مریض سے کوئی غرض نہیں، بلکہ عام آدمی اور مزدور طبقے کا استحصال کرنا ان کا کام ہے۔

ماحولیات کا ایک تعلق مذہب سے بھی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے ماحولیات کو مذہبی معاملہ قرار دیا ہے۔ بائبل میں زمین کو مقدس کہا گیا ہے۔بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ چوں کہ مذہبی ذہن رکھنے والے دنیا سے بے نیازی اور کائنات کے فنا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، لہٰذا ان کو اس چیز سے فرق نہیں پڑتا کہ آیا ماحول بہتر ہو رہا ہے یا اس میں خرابی پیدا ہو رہی ہے۔اس حوالے سے ایک واقعہ شیروں کے بچاؤ کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم لائن گارڈ یئنر کی رکن لیلا حازہ سے منسوب ہے کہ ایک دفعہ دو سامائی افراد کی 35 گائیں گم ہو گئیں، جس پر لیلا حازہ نے ان سامائیوں سے جب اس بارے پوچھا تو ان میں سے ایک نے کہا‘‘میں جب خدا کے گھر میں ہوتا ہوں تو پھر مجھے اپنے گھر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، کیوں کہ اس دوران خدا میرے مویشیوں کو خطرے سے محفوظ رکھتا ہے’’(6)۔مگر مذاہب کے بیانیوں میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ صفائی کا خاص خیال رکھا جائے اور ماحول کی حفاظت کی جائے۔ 1967ء میں ایک مؤرخ لِن وائٹ (Linn White) نے ایک جریدے سائنس میں مسیحیت کو قدرتی ماحول کے بارے کم فکرمند قرار دیا تھا، اس کے مطابق انجیل چوں کہ قدرت پر قبضے کی تائید کرتی ہے سو مسیحیت میں انسان کے نفع کے لیے قدرتی وسائل کا بے دریغ استعمال جائز ہے۔بعض پیشواؤں نے وائٹ کی تشریح کو غلط قرار دیا اور کہا کہ بائبل اور مسیحیت میں قدرتی ماحول کے تحفظ کی تبلیغ کی گئی ہے۔کینیا کے بعض مسیحی ان درختوں اور جنگلات کے جلا دینے کو روا قرار دیتے ہیں، جن سے توہم پرستی کو فروغ ملتا ہے۔اس معاملے میں یہ تقسیم بھی کی گئی ہے کہ قدامت پسند مسیحی ماحول کے بچاؤ پر کم توجہ دیتے ہیں جبکہ کیتھولک مسیحی اس سمت زیادہ میلان رکھتے ہیں۔اس تناظر میں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ممکن ہے بائبل میں تحریف اور ردو بدل کے باعث اس نظریے نے جگہ بنائی ہو کہ مذہب ماحولیاتی تحفظ پر واضح مؤقف نہیں رکھتا۔

اسلامی شرع کا جائزہ لیتے ہوئے قرآن واحادیث میں بہت سے ایسے حوالے ملتے ہیں جو ماحول سے متعلقہ ہیں۔قدرتی ماحول زمین، فضا اور پانی کے فطری امور کا ذکر کئی آیات میں

آیا ہے۔زمین کی قدرتی ساخت کے بارے حوالے دیکھیے:

''اور وہی ہے، جس نے (گولائی کے باوجود) زمین کو پھیلایا اور اسی میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور ہر قسم کے پھلوں میں (بھی) اس نے دو دو (جنسوں کے) جوڑے بنائے (وہی) رات سے دن کو ڈھانک لیتا ہے، بے شک اس میں تفکر کرنے والوں کے لیے (بہت) نشانیاں ہیں۔اور زمین میں (مختلف قسم کے) قطعات ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، جھنڈ دار اور بغیر جھنڈ کے، ان (سب) کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور (اس کے باوجود) ہم ذائقہ میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشتے ہیں، بے شک ان میں عقل مندوں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں''(7)۔

قدرتی طور پر زمین آباد ہے، جس کا ذکر اس آیت میں بھی ہے۔

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا لے جاتے ہیں، پھر ہم اس سے کھیت نکالتے ہیں، جس سے ان کے چوپائے (بھی) کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں؟''(8)۔

زمین کی بزرگی کو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتایا گیا ہے جبکہ آج کل یہ عمل انسانوں کی طرف سے مسلسل جاری ہے۔اس کی وجہ زمینوں پر کاشت نہ کرنا، سبزہ اور پیڑ پودے نہ لگانا ہے۔

ماحول کو خوشگوار اور بہتر بنانے کے لیے دین متین نے مختلف تجاویز دی ہیں۔صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق صفائی نصف ایمان ہے۔دین اسلام میں راستے سے پتھر تک اٹھانا صدقے کے حکم میں ہے۔زمین کو آلودہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔سنن ابن ماجہ میں درج ہے:

''بچو تم لعنت کی تین چیزوں سے، پہلے پاخانہ پھرنا مسافروں کے اترنے کی جگہ میں، دوسرے سایہ میں، تیسرے راستے میں''(9)

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ رفع حاجت کے لیے بستی سے دور تشریف لے جاتے۔

ہر اک لفظ ہے گوہرِ بے بہا
کے جنابِ محمدؐ کے فرمان کا
یہ ہے قولِ سالارِ اہلِ صفا
صفائی تو حصہ ہے ایمان کا (10)

اسلام میں شجرکاری کی ترغیب دیتے ہوئے درخت لگانے کو صدقہ قرار دیا گیا۔ صحابہ کرامؓ اسی نیت سے درخت لگاتے اور اس کی نگہداشت کرتے۔ سورہ البقرہ میں کھیتیوں کو برباد کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

"اور جب وہ (آپ سے) پھر جاتا ہے تو زمین میں (ہر ممکن) بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد انگیزی کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کر دے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔" (11)

غزوات میں شرکت سے قبل رسول اللہ ﷺ درختوں کو نقصان پہنچانے سے منع فرماتے۔ شارع اعظم ﷺ نے پانی کو بھی آلودہ ہونے سے بچانے کی تلقین فرمائی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا"۔ (12)

یہی ممانعت رگ وید میں بھی آئی ہے۔ اسلام میانہ روی کا درس دیتا ہے اور قدرتی وسائل کے زیادہ استعمال (اصراف و تبذیر) سے منع کرتا ہے۔ "سفینہ نے کہا رسول اللہ ﷺ وضو کرتے تھے ایک مد سے اور غسل ایک صاع سے" (13)۔ 2007ء میں ہفت روزہ کرسچن سائنس مانیٹر کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک مچھیرے کا کہنا تھا کہ:

"مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ڈائنامائیٹ کا استعمال ماحول کے لیے تباہ کن ہے، اور سمندری حیات کے بچاؤ کے اس پہلو کے بارے میں مجھے کسی سفید فام شخص نے نہیں بتایا، بلکہ یہ بات میں نے قرآن سے سیکھی ہے"۔ (14)

اسلام صوتی آلودگی سے تحفظ کا بھی درس دیتا ہے۔ سورہ لقمان میں ارشاد ہے:

''اور اپنی آواز کو پست رکھا کر، بے شک سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے''۔(15)

گدھے کی آواز اونچی اور غیر مانوس ہوتی ہے، اس لیے اس کی ممانعت آئی ہے۔ بلند آواز میں تکلف بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے تکلیف بھی۔ دین متین دوسرے لوگوں کا خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے اور انھیں ہر قسم کی تکلیف دینے سے منع کرتا ہے۔ امام کو جماعت کے حساب سے آواز بلند کرنے کا حکم ہے، اس سے زیادہ کا نہیں۔ امام شافعی خود کو تھکا دینے والی آواز کو بُرا سمجھتے۔ محافل اور جلسوں میں عموماً حد سے زیادہ شور کرتے سپیکرز نصب ہوتے ہیں۔ اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر سال 2000ء میں پاکستان سپریم کورٹ نے مساجد سے لاؤڈ سپیکرز پر پابندی کے احکامات جاری کیے تھے۔ گلی محلے اور بازاروں میں شور کرنے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ بازار میں شور ہنگامے کرنے والے کو ناپسند کرتے ہیں''۔(16)

ڈھول، باجے، بیس والے ساؤنڈ، چیختے مائیک، گاڑیوں کے شور کرتے سلنسر اور ہارن (horn) کا استعمال معاشرے میں صوتی آلودگی اور نفسیاتی مسائل کے اسباب ہیں۔

ان تمام براہین کے پیشِ نظر ایک بات واضح ہے کہ کتب سماوی اور مذہبی تحریروں میں ماحولیاتی تحفظ اور ماحولیاتی حقوق کے بارے ترغیب دی گئی ہے۔ گویا مذہب کا ماحولیاتی حقوق پر نقطۂ نظر واضح ہے جبکہ اس معاملے میں مذہبی افراد کی سستی و کاہلی کو مذہبی بیانیہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ماحولیات کا حیاتیات (biology) اور حیوانیات (zoology) سے گہرا ربط ہے، جن میں زندگیوں کے آغاز، ارتقا، نمو، ساخت، تقسیم، درجہ بندی، معدومیت کے ساتھ ساتھ ماحول سے ان کے تعلق کا مطالعہ شامل ہے۔ یوں ماحولیات بہت سے مضامین سے تعلق ستوار کیے ہوئے ہے۔

ماحول اور آلودگی

ماحول کو آلودہ کرنے میں بہت سے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ ابرار احمد ماحول اور آلودگی کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ" ماحول کی آلودگی ہوا، پانی اور زمین کی طبیعی، کیمیائی یا حیاتیاتی خصوصیات میں غیر ضروری اور نہ چاہی تبدیلی کا نام ہے جو انسانی، حیوانی، نباتاتی زندگی کے لیے خطرہ ہو اور ماحول میں مضرِ صحت وحیات فاضل مادہ جات کا دخول اور جمع ہونا ماحول کی آلودگی کہلاتا ہے" (17)

آلودگی کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے مثلاً ماحولیاتی آلودگی، صنعتی آلودگی، شور کی آلودگی، تابکاری آلودگی، روشنی کی آلودگی وغیرہ، ان تمام اقسام کو تین شہ سرخیوں میں یوں واضح کیا جا سکتا ہے۔

زمینی آلودگی

فضائی آلودگی

آبی آلودگی

زمین، پانی اور ہوا وہ علاقے ہیں، جہاں زندگی کا تصور موجود ہے، ان میں مرکزیت زمین کو حاصل ہے اور زمین کے نچلے حصے میں (جہاں زیادہ پانی موجود ہے) سمندر، دریا، نہریں وغیرہ میں موجود زندگیاں آبی مخلوق ہیں جبکہ زمین سے بالائی کی سمت کا حصہ فضائی ہے، جس میں پرندے اڑتے پھرتے ہیں۔

زمینی آلودگی:

ماحولیاتی تناظر میں زمین کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ زمین سے لگاؤ اور محبت کا اظہار مختلف مذاہب، تہذیبوں اور عالمی ادب میں ملتا ہے۔ زمین کے لیے ماں، دھرتی ماں، دھرتی ماتا، زمین سبز وغیرہ الفاظ وتراکیب بھی مستعمل ہیں۔ ایک عرصے سے زمین جس قدر آلودہ ہو چکی ہے، آج سے قبل نہ تھی۔ زمین قدرتی و مصنوعی دونوں عناصر سے آلودہ ہوتی ہے۔ مثلاً سیلاب، جنگلات کی آتش زدگی، کوہساروں کی آتش فشانی، طوفان وغیرہ ۔۔۔ کرۂ ارض پر موجود موسمیاتی

تبدیلیاں، زمین بردگی، جنگلات کا خاتمہ، جدید زرعی انقلاب و مصنوعی کھادیں، زمینی بنجر پن، سیم و تھور، پہاڑوں کی کٹائی، کیڑے مار سپرے، پلاسٹک کا انتہائی استعمال، کارخانوں کی مصنوعات اور بم دھماکے، صنعتی و بارودی حادثات وغیرہ سے زمین میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور زمینی آلودگی کا درجہ حرارت بڑھتا رہتا ہے۔

پہاڑوں کا وجود زمین کو کمزور ہونے سے بچاتا اور اسے پختگی عطا کرتا ہے۔ پہاڑ کرۂ ارض کے تحفظ اور استحکام کے لیے کس قدر ضروری ہے، سورہ نباء کی آیت 6 اور 7 سے اندازہ ہوتا ہے، جس میں ارشادِ ربانی ہے'' کیا ہم نے زمین کو (زندگی کے) قیام اور کسب و عمل کی جگہ نہیں بنایا؟ اور (کیا) پہاڑوں کو (اس میں) ابھار کر کھڑا (نہیں) کیا؟''(18) اسی طرح سورہ انبیاء کی آیت 31 میں فرمایا'' اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ بنا دیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ (اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے) انہیں لے کر کانپنے لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ (مختلف منزلوں تک پہنچنے کے لیے) راہ پاسکیں''(19)۔ ماہرِ ارضیات کا بھی یہی ماننا ہے کہ پہاڑوں کا مقصد زمین کا استحکام ہے۔ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ پہاڑوں کو ختم کرنے کی وجہ سے زمین ہلکی ہو رہی ہے اور آسمان کے نزدیک ہوتی جا رہی ہے، جس سے آئے روز گرمی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

زراعت کے شعبے میں ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے دو پہلو بڑے اہم ہیں، ایک پہلو زمینوں میں کاشت کاری کا عمل درست طریقے سے نہ ہونا، اس میں کاہلی، فارغ زمینوں کو قابل کاشت نہ بنانا گویا زمینوں کو صحرازدہ کرنا، دوسرا پہلو زمینوں کا کاروبار ہے۔

جنونِ زینت و آرائش مکاں کے لیے
کئی مکیں در و دیوار بیچ دیتے ہیں(20)

(احمد فراز)

کاشت کاری کے عمل میں فصلوں کی جلد بڑھوتری اور کیڑوں سے تحفظ کے لیے ادویات کا استعمال مضر ہے۔ کیڑوں کے خاتمے کے لیے استعمال کی جانے والی ادویات جو طرح طرح کے کیمیکلز (chemicals) سے تیار کی جاتی ہیں، ان سے زمین آلودہ ہوتی اور زمینی خوراک زہریلی ہوتی ہے۔

گاؤں کی صحت افزا زمینوں کا تیزی سے کاروبار ہو رہا ہے۔نئی نئی آبادیاں اور طرح طرح کے پروجیکٹ کے لیے گاؤں زادے ہی مادہ پرست بن کر زمین بیچنے لگے ہیں۔

’’نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں‘‘ کے مصداق جنگلات کی زمین میں ایسی ایسی کارگر اور کارآمد جڑی بوٹیاں موجود ہیں، جن سے مختلف بیماریوں کا علاج ممکن ہے۔ان میں سے اکثر بوٹیاں معدوم ہو چکی ہیں۔

تیزابی بارشوں کے باعث زمینی پودوں پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔سائنسدانوں کے نزدیک تیزاب پہلے پتوں پر حملہ آور ہوتا ہے، جس سے ان کی ضیائی تالیف (photosynthesis) کم ہو جاتی ہے اور یہ غذائی اجزا سے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ تیزاب زمین سے غذائی اجزا کا خاتمہ کر دیتا ہے اور ایلومینیم میں زہر پیدا کر دیتا ہے جو درختوں کی جڑوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

زلزلوں کی کثرت، نئی ٹیکنالوجی کے وسیلے سے بھاری موٹر گاڑیوں کا بننا اور ان کا بے دریغ استعمال، بلڈوزر، ریل ایسے ذرائع مواصلات، مضبوط زمین کو غیر پختہ کر دیتے ہیں، بیس فل ساؤنڈ سسٹم (basefull sound systems) کی آواز اور دھمک سے بھی زمین کمزور ہونے لگی ہے۔کچھ عرصے سے زمینی کٹاؤ میں تیزی آئی ہے، ان وجوہات سے زمین میں پہلی سی پختگی نہیں رہی۔

زمینی آلودگی کی ایک بڑی وجہ پلاسٹک کا استعمال ہے۔ہم عموماً چلتے پھرتے مختلف پیکٹ، ڈبے، شاپر اور پلاسٹک رستے میں پھینک دیتے ہیں، جن سے زمینی حسن میں نہ صرف کمی واقع ہوتی ہے، بلکہ زمین آلودہ اور بدبودار ہو جاتی ہے۔ پلاسٹک میٹیریل میں پالی تھین (Polythene)، پالی وینائل کلورائڈ (Poly Vinyl Chloride) اور پالی یوریتھین (Polyurethene) استعمال میں عام ہیں۔کھانے پینے کی اشیا کی پلاسٹک میں پیکنگ سے اشیائے خورد ونوش کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں اور پلاسٹک کا زہر ان میں شامل جاتا ہے، جو مضرِ صحت ہے۔ٹائروں اور کچرے کو آگ لگانا زمین کے ساتھ ساتھ فضا کو بھی آلودہ کرتا ہے۔علاوہ ازیں کوڑا کرکٹ، غلاظت، مرضیاتی فضلہ، تعمیراتی فالتو مادے، گھریلو فضلہ وغیرہ زمین کو آلودہ کر رہے ہیں۔

آئل ٹینکر کے حادثوں سے تیل زرعی زمین میں بہہ جانے سے فصل سمیت زمین خراب ہو جاتی ہے۔ جنوری 2019ء میں چنیوٹ میں آئل ٹینکر کے الٹنے سے 20 ہزار لیٹر تیل بہہ گیا۔ نارووال میں ٹرک اور آئل ٹینکر میں تصادم کے باعث تیل بہنا شروع ہوا، جس کے باعث راستے سے گزرنے والے متعدد موٹر سائیکلوں کے پھسلنے سے کئی افراد زخمی ہوئے۔ 13 دسمبر 2019ء کو بلوچستان میں مسافر بس اور تیل کی گاڑی میں ٹکر کے بعد تیل سے بھری گاڑی میں شعلے بھڑک اٹھے، جس نے مسافر بس کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور 12 مسافر جھلس کر ہلاک ہو گئے۔

فضائی آلودگی:

فضائی آلودگی سے مراد فضا میں ایسے عناصر کا امتزاج ہے، جو انسانوں، جانداروں اور نباتات کے ماحول کے لیے مضر ہیں۔ ہم اپنے ماحول سے روز کی بنیاد پر سانس کے ذریعے ایسے آلودہ اجزاء کشید کر رہے ہیں، جو ہماری فضا میں شامل ہوتے ہیں۔ فضائی آلودگی کا مسئلہ اس وقت پوری دنیا کو درپیش ہے۔ مغربی ممالک میں تیز ترین صنعت و ٹیکنالوجی کی صورت میں فضائی آلودگی کی زیادتی ہے، جبکہ تیسری دنیا صنعتی اعتبار سے اس قدر آلودہ نہ سہی البتہ یہاں کچرا اور کوڑا کرکٹ کو ٹھکانے لگانے کے درست انتظامات نہ ہونے اور باشندوں کی احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرنے کے باعث گھمبیر مسائل ہیں۔ ہمارے ہاں لوگ پلاسٹک، گتے، شاپر، ٹین، بوتلیں وغیرہ راہ چلتے سڑک پر پھینک جاتے ہیں، جس کی وجہ سے صاف سڑکیں آلودگی کا شکار ہیں۔ عالمی قانون کے مطابق کچرے کو آگ لگانا جرم ہے، مگر تیسری دنیا میں یہ امر عام ہے۔ اس عمل سے آلودگی کے ڈھیر سے اٹھتا دھواں آس پاس کے ماحول کو بھی آلودہ کرتا ہے اور کئی روز تک وہ جگہ ایسی متعفن رہتی ہے کہ گزرنے والا بغیر ناک کو ڈھانپے گزر نہیں سکتا۔

دھول، خاک، جلتا کوئلہ، جنگلات کی کٹائی، جنگلات میں آتش زدگی، کوڑے کچرے کو ٹھکانے نہ لگانا، گندے پانی اور انسانی فضلے کا اخراج، پلاسٹک کا بے دریغ استعمال، کارخانوں کا دھواں، ذرائع نقل و حمل کے استعمال میں زیادتی، دھماکوں کے پھٹنے سے زہریلی گیسوں کا اخراج وغیرہ ایسے اسباب ہیں، جو پوری دنیا کی فضا کو آلودہ کیے ہوئے ہیں۔ انسانی آبادی میں اضافے کے سبب ضروریاتِ زندگی بڑھ گئیں تو جنگلات کی کٹائی سے ان ضروریات کو پورا کیا جانے لگا، جس سے جنگلی جانور کم ہوتے گئے اور متعدد جانوروں کی کئی نسلیں معدوم ہو گئیں۔ موسمیاتی تبدیلی میں بھی

شدت واقع ہوئی۔ چراگاہوں کے خاتمے سے پالتو جانور بھی متاثر ہوئے۔

پیداواری گروہ (نباتات) ماحول کے وجود کو برقرار رکھنے کا بنیادی عنصر ہے۔ یہ پیڑ پودے ہی ہیں، جو صارفی گروہ (حیوانات) کے لیے خوراک تیار کرتے ہیں۔ اگر نباتات ختم ہو جائیں تو آکسیجن بھی میسر نہ ہو اور زندگی کا وجود باقی نہ رہے۔ نباتات کے بغیر ماحول کا تصور ممکن نہیں، البتہ انسانوں اور جانوروں کے ختم ہو جانے سے ماحول قائم رہ سکتا ہے۔ گرین پیس کے مطابق انڈونیشیا میں درختوں کی کٹائی کا سلسلہ سب سے تیز ہے۔ امریکہ، کینیڈا، روس، فن لینڈ، سوئیڈن اور ناروے اس معاملے میں سرفہرست ہیں۔ پاکستان میں صرف 3 فیصد جنگلات ہیں جبکہ کسی بھی ملک کا 25 فیصد رقبہ جنگلات کے لیے ہونا چاہیے۔ جس قدر تیزی سے جنگلات کاٹے جا رہے ہیں، یہی خدشہ ہے کہ 2030ء تک پوری دنیا میں جنگلات کا 20 فیصد رہ جائے گا۔ متعدد جنگلات سے لکڑی سمگل کی جاتی ہے۔ ماحولیاتی تاریخ میں ایمیزون کے جنگلات کی آتش زدگی ہولناک اور خوفناک حادثہ ہے۔ جنوبی امریکہ کا یہ جنگل دنیا کا سب سے بڑا جنگل ہے۔ یہ جنگل ایمیزون دریا اور اس کے معاون دریاؤں کے گرد پھیلا ہوا ہے، جس کے دائرے میں کئی ممالک شامل ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا کی زندہ انواعِ حیات کا نصف ایمیزون جنگلات میں موجود ہے۔ یہاں جانوروں کی بہت سی اقسام یہاں پائی جاتی ہیں۔ فضا میں جتنی آکسیجن پائی جاتی ہے، اس کا تقریباً 16 فیصد ایمیزون مہیا کرتا ہے۔ اس کے بعض مقامات ایسے گھنے ہیں کہ سورج کی روشنی ان تک نہیں پہنچ پاتی۔

یہ علاقہ حشرات الارض کی اڑھائی ملین اقسام، لاکھوں نباتات اور پرندوں اور ممالیہ کی دو ہزار انواع کا گھر ہے۔ تحقیق کے مطابق اب تک 40 ہزار پودوں، 3 ہزار مچھلیوں، 1294 پرندوں، 427 ممالیہ، 427 جل تھلی (amphibians) اور 378 رینگنے والے جانوروں (reptiles) کی اقسام پائی جا چکی ہیں۔ (21)

ایمیزون برساتی جنگل پیرو، ایکوارڈو، کولمبیا، وینیزویلا، گیانا، برازیل، سرینام، فرانسیسی گیانا، بولیویا ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ تفصیلات اس لیے بتائی گئی ہیں کہ ایمیزون کے جنگلات کی آتش زدگی کا اندازہ ہو سکے۔ ان جنگلات میں آگ لگنے سے بڑے پیمانے پر ماحولیاتی مسائل پیدا ہوئے۔ یہ برساتی جنگل، تیزابی برساتی جنگل بن گیا۔ برازیل کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ فار سپیس ریسرچ

کے مطابق سال 2019ء میں جنوری تا اگست صرف 8 ماہ کے دوران ان جنگلات میں 72 ہزار مرتبہ آگ کے شعلے بھڑک چکے ہیں، یہاں تک کہ برازیل کے ساحلی علاقوں میں بلیک آوٹ کا منظر دیکھنے میں آیا ہے۔آسٹریلیا کے جنگلات میں آتش زدگی سے تقریباً 50 کروڑ سے زائد جانور ہلاک ہوئے جبکہ اس خطے میں موجود جانوروں کی کئی اقسام صفحۂ ہستی سے مٹ جانے کا خدشہ ظاہر کیا گیا۔آتش زدگی اور تیزابیت سے لاکھوں کی تعداد میں جنگلی حیات کا خاتمہ ہوا، آکسیجن میں کمی واقع ہوئی اور زہریلی گیسوں کا پھیلاؤ بہت بڑھ گیا ہے۔جنگلات میں آتش زدگی کی وجوہات اور اثرات پر مارگریٹ فلر (Maraget Fuller) کی کتاب An introduction to:Forest Fires Wildland fire behavior,management, firefighiting and prevention اس حوالے سے اطلاقی نوعیت کی ہے۔

سڈنی یونیورسٹی کے ماہرین ماحولیات کے مطابق گزشتہ سال (2019ء) ستمبر سے لے کر اب تک (جنوری 2020ء) 48 کروڑ ممالیہ جانور، پرندے اور رینگنے والے جانور ہلاک ہو چکے ہیں اور اس تعداد میں مزید اضافے کا امکان ہے۔

1990ء کے روزنامہ جنگ میں ایک شہ سرخی شائع ہوئی، جس کے مطابق امریکہ و یورپ کی 20 فیصد آبادی کو زہریلی گیسوں سے خطرات لاحق تھے، آج تیس سال بعد جتنی صنعتی آلودگی پہلی دنیا میں پھیل چکی ہے، انتہائی مضر ہے۔BBC کی ایک رپورٹ کے مطابق جو ممالک حد درجہ فضائی آلودگی کا شکار ہیں ان کے نام ہیں بنگلہ دیش، پاکستان، انڈیا، افغانستان، بحرین، منگولیا، کویت، نیپال، یو اے ای، نائیجیریا، انڈونیشیا اور چین۔

کارخانوں اور گاڑیوں سے نکلتا دھواں ماحول کو زہر آمیز کرتا جا رہا ہے۔فیکٹریوں، گاڑیوں اور ائرکنڈیشنر سے نکلتی گیسوں میں کاربن ڈائی آکسائیڈ، میتھین، نائٹرو آکسائیڈ، سلفر ڈائی آکسائیڈ، نائٹروجن آکسائیڈ، کاربن ڈائی آکسائیڈ، کاربن مونو آکسائیڈ، فریون گیس ماحولیاتی تباہی اور اوزون لہر میں سوراخ کا سبب ہیں۔کاربن مونو آکسائیڈ جسم میں دوڑتے خون میں شامل ہو کر آکسیجن کی قوتِ انجذاب کو نقصان پہنچاتا ہے، جس سے جسم میں سستی جنم لیتی ہے اور بے چینی بڑھتی ہے، جو بعد ازاں موت کا سبب بن سکتی ہے۔نائٹروجن ڈائی آکسائیڈ سے پھیپھڑوں کی سوزش، کالی کھانسی اور نمونیا ایسے موذی امراض پیدا ہو سکتے ہیں۔لیڈ گیس مرکزی اعصابی نظام اور تولیدی نظام کو متاثر کرتی ہے، جس سے پیدا ہونے والے بچے کی بنیادی صلاحیتوں میں واضح کمی

واقع ہوتی ہے۔سلفر ڈائی آکسائیڈ اور نائٹروجن آکسائیڈ کے باعث بارش میں تیزابیت شامل ہوتی ہے۔سلفر ڈائی آکسائیڈ کازی ایندھنوں، جن میں تیل، گیس، کوئلہ شامل ہے، کے جلنے سے پیدا ہوتی ہے، جبکہ پاور سٹیشنوں میں اس کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔نائٹرو آکسائیڈ زیادہ تر گاڑیوں کے دھوئیں میں شامل ہوتی ہے۔سلفر ڈائی آکسائیڈ فضا میں گھل کر اسے آلود کر دیتی ہے، جو بعدازاں تیزابی بارش کی صورت میں زمین پر پلٹتی ہے۔تیزاب، ایلومینیم، زمین اور پانی سے حل ہو کر پانی کی پائپوں کے ذریعے جانداروں تک پہنچاتا ہے، لہٰذا اس سے انسانی صحت کو بھی خطرہ ہے۔تیزابی بارش سینے اور گردے کی بیماری کا باعث بنتی ہے۔انسان ہر سال رکازی ایندھن جلا کر بارہ کروڑ ٹن سے زائد سلفر فضا میں شامل کر رہے ہیں۔"1970ء میں صرف امریکہ میں تین کروڑ بیس لاکھ ٹن سلفر فضا میں چھوڑی گئی" (22) اس درجے تک صنعت کے اثرات سے عالمی درجہ حرارت میں اضافہ ہوا ہے۔فی الوقت گرمیوں کا عرصہ سردی کے موسم سے زیادہ ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے، جس سے لوگ مرنے لگے ہیں۔سانحہ بھوپال، جس میں فیکٹری سے پھیلتی گیس سے فضا اس قدر آلودہ ہوئی کہ اس نے ہزاروں زندگیوں کو موت کے حوالے کر دیا۔ایسے حادثات نہ صرف آس پاس کے ماحول کو متاثر کرتے ہیں، بلکہ اس کے اثرات دور دراز علاقوں میں برسوں تک موجود رہتے ہیں۔

سگریٹ سے خارج ہوتا دھواں بھی ماحول کی خرابی میں کردار ادا کرتا ہے۔سگریٹ نوشی سے جسمانی سستی، دل اور پھیپھڑوں کے امراض، گلے کی خرابی، وٹامن ای اور سی کی کمی، دل کا عارضہ، طبعی عمر میں کمی، کینسر ایسی مہلک بیماریاں جنم لیتی ہیں، سگریٹ پینے والا خود تو بیمار ہوتا ہی ہے ساتھ والے لوگوں کو بھی بیمار کرتا ہے۔سگریٹ نوش کے آس پاس کھڑے افراد کو پیسو سموکر یا سیکنڈ ہینڈ سموکر (passive smoker or second hand smoker) کہا جاتا ہے، کیوں کہ وہ بھی اس تمباکو کو سانس کے ذریعے داخل درجسد کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔آج کل کئی ملازمتوں میں تو انٹرویو سے پہلے نوکری کے لیے درخواست دینے والوں کا لیبارٹری ٹیسٹ کیا جاتا ہے اگر ٹیسٹ میں نکوٹین (nicotine) کی نشان دہی ہو جائے تو ایسے افراد کو ملازمت نہیں دی جاتی۔مغربی و امریکی ممالک کے اکثر علاقوں میں سگریٹ نوشی سختی سے منع ہے، بالخصوص رہائشی علاقوں میں۔اقوامِ متحدہ کے زیرِ نگرانی ہر سال 31 مئی کو no smoking day منایا جاتا ہے جس میں تمباکو نوشی کے مضر

اثرات پر مباحثوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، تاکہ عوام اس زہر سے آگاہ ہوسکیں۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق فضائی آلودگی سے ہر سال دنیا بھر میں سات لاکھ افراد ہلاک ہوتے ہیں۔

حال ہی میں چین کے علاقے ووہان سے پھیلنے والا ناول کورونا وائرس ان علاقوں کے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا ہے، جہاں کی فضا میں آلودگی زیادہ ہے، اٹلی کا علاقہ لومبارڈی میں فضائی آلودگی بہت زیادہ ہے، جس کی وجہ سے یہ علاقہ سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ گاؤں اور مضافات اس وبا سے قدرے محفوظ ہیں، جو ایک عالمی وبا ہے۔ یہ سانس اور لمس کے ذریعے پھیلتا اور انسانی صحت کو خراب کرتا ہے۔ چوں کہ احتیاط ہی اس وبا کا علاج ہے، سو گھروں میں قرنطینہ ہونے ، کارخانوں، فیکٹریوں کے بند ہونے سے اور گاڑیوں کے حد درجہ کم استعمال سے ماحولیاتی آلودگی بہت کم ہوئی۔ اوزون کا شگاف بھی پُر ہونے لگا، آسمان صاف ہونے لگا اور انسان کا سانس لینا بحال ہوا ہے۔

اوزون لئیر (ozone layer) ایک ایسی قدرتی حفاظتی پرت ہے، جو اس زندہ سیارے (زمین) کو سورج کی خطرناک شعاعوں سے بچاتی ہے۔ سورہ انبیا میں اس کا ذکر یوں آیا ہے: ''اور ہم نے سماء (یعنی زمین کے بالائی کرّوں) کو محفوظ چھت بنایا'' (23)۔ یہ پردہ فطرتی نظام کا حصہ ہے، مگر صنعتی آلودگی کے باعث مختلف زہریلی گیسوں کے فضا میں ضم ہو جانے سے اوزون لئیر میں شگاف ہوگیا ہے، جو آلودگی کے بڑھنے سے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس شگاف سے سورج کی شعاعیں الٹراوائلٹ ریز (ultra violet rays) کے زمین پر پڑنے سے زندگیوں کو خطرہ لاحق ہے، علاوہ اس کے زمین کے درجہ حرارت میں شدت آ رہی ہے، جو کہ آبی ذخائر کے لیے بھی تشویش ناک ہے۔

جنگلات کی کٹائی، اوزون میں بڑھتا شگاف، گرین ہاؤس اثرات کے باعث زمین کا درجہ حرارت بہت بڑھ چکا ہے۔ 2015ء کی رپورٹ کے مطابق کراچی میں گرمی کی شدت سے 1200 سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ ''بین الاقوامی جریدے Nature climate change میں چھپنے والی تحقیق کے مطابق دنیا میں ہر تین میں سے ایک فرد گرمی کی لہر سے متاثر ہو رہا ہے۔ عالمی سطح پر ایک سرگرم تھنک ٹینک جرمن واچ نے اپنے گلوبل کلائمیٹ رسک انڈیکس میں پاکستان کو ماحولیاتی تبدیلیوں کے باعث 10 سب سے زیادہ غیر محفوظ ممالک کی فہرست میں شامل کیا۔'' (24)

سرد موسم میں فضا میں دھند کی شدت سے ہونے والے روز مختلف حادثات کی خبریں نشر ہوتی رہتی ہیں۔اس کے نتیجے میں نہ صرف زمین پر ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں، بلکہ جہازوں کو بھی پرواز میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بہت سی پروازیں منسوخ ہوتی ہیں۔دورانِ پرواز، دھند کی شدت سے جہاز ایکسیڈنٹ واقع ہوتے ہیں، جس سے کثیر تعداد میں انسانی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے۔جبکہ سموگ، دھند سے زیادہ مضر ہے، کیوں کہ یہ فضائی آلودگی سے تشکیل پاتی ہے، جس میں جلتے کوئلے کا دھواں، گاڑیوں سے خارج شدہ گیسیں اور صنعتی گیسیں شامل ہوتی ہیں۔سموگ نے معمولاتِ زندگی کو بُری طرح متاثر کیا۔اس کے سبب ٹرین اور پروازوں میں بے قاعدگی آتی ہے، طرح طرح کے حادثات کا سامنا ہوتا ہے اور لوڈ شیڈنگ میں بھی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔یہ پیڑ پودوں کے پھلنے پھولنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، جانداروں میں سانس کے مسائل پیدا کرتا ہے اور قلبی امراض کا بھی باعث ہے۔مچھروں کو مارنے والی ادویات میں پائیرتھرم (pyrethrum) کا استعمال کیا جاتا ہے، جس سے انسان کھل کر سانس نہیں لے پاتا اور سر درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تیل انسان کیے لیے زندگی کی ضرورت کا درجہ رکھتا ہے۔تیل کے پھیلنے اور جلنے سے بھی ماحول آلودہ ہوتا ہے۔دنیا بھر میں تیل کی تجارت تیزی سے ہو رہی ہے، اس موضوع پر سینکڑوں مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ایران، عرب، نائیجیریا اور ان سے تیل کی تجارت کرنے والا امریکہ آئے روز خبروں کا حصہ ہوتے ہیں۔تیل کے حوالے لکھنے والوں میں سارو ویوا، جے پی کلاک، تائیو اولا نیوے، جوکین، اپٹن سنکلئیر اور سوڈانی نژاد ناول نگار عبدالرحمان منیف نمایاں ہیں۔تیل کے جلنے سے کاربن فضا میں خارج ہوتا ہے جو گلوبل وارمنگ کا سبب ہے۔

آبی آلودگی:

زمین کی بنیاد پانی پر ہے، زمین کا 71 فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہے اور اسی سے زمین کا حسن ہے۔زمین قدرتی طور پر پانی سے شاداب و سرسبز ہے، جس کا علم اس قرآنی آیت سے بھی ہوتا ہے"اور آسمان سے پانی اتارتا ہے پھر اس سے زمین کو اس کی مردنی کے بعد زندہ و شاداب کر دیتا ہے۔" (25)۔جانداروں میں اکثر حصہ پانی ہوتا ہے۔سائنس کے مطابق ایک انسان کے جسم میں 60 فیصد پانی موجود ہوتا ہے۔اسلام کے مطابق جانداروں کی بالیدگی میں پانی کا بنیادی کردار ہے"اور ہم نے (زمین پر) پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی" (26)۔محمد اظہار الحق کا شعر

اسی تناظر میں ہے:

پانی پہ اٹھائی گئی بنیاد ہماری
مٹی سے بنائے گئے اجسام ہمارے(27)

پہلے پہل زمین پر ہر طرف پانی موجود تھا، جس کے باعث یہ گرم گولہ ٹھنڈی ہونے لگا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے سمندر اور دریا خشک ہو چکے ہیں۔ 2016ء کی ایک رپورٹ کے مطابق بحیرۂ مردار کی سطح میں سالانہ ایک میٹر سے زیادہ کمی ہو رہی ہے(28)، جس باعث کناروں پہ بسی بستیوں کو بحران کا سامنا ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں ارال سمندر کا خشک ہو جانا بڑا سانحہ ہے۔ دریائے ارال تقریباً خشک ہو چکا ہے اور اس کی تمام مچھلیاں مر چکی ہیں۔ دریائے تیستا جو انڈیا سے بنگلہ دیش آتا تھا، اس پر انڈیا نے ڈیم بنا دیا۔ دریائے تراگ صنعتی آلودگی کی نذر ہو گیا۔ بنگلہ دیش، جس کی شناخت دریاؤں سے ہے، اپنی پہچان کھوتا جا رہا ہے۔ اس خرابیٔ ماحول میں سیاست کا بھی ہاتھ ہے۔ صدر کسان بورڈ، لاہور، چوہدری نثار احمد کے بقول انڈیا کی بڑی جارحیت، آبی جارحیت ہے:

''ہندوستان نے دریائے ستلج، بیاس اور راوی کا 100 فیصد اور دریائے چناب، جہلم اور سندھ کا مجموعی طور پر 80 فیصد پانی روکنے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے۔ حال ہی میں انڈیا نے دریائے چناب کا ساٹھ فیصد پانی روک رکھا ہے، جس سے سیالکوٹ، گوجرانوالہ، سرگودھا، منڈی بہاؤالدین سمیت ملک بھر کے لاکھوں ایکڑ اراضی خشک سالی کا شکار ہے۔ بڑی نہریں بند ہونے سے وسیع رقبہ بنجر بن رہا ہے اور دریا میں پانی کے بہاؤ میں مجموعی طور پر 80 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔۔۔ جہلم پر قبضہ کے لیے 54 منصوبوں پر کام جاری ہے۔''(29)

یوں دنیا بھر کے سمندر، دریا اور نہریں آلودگی اور خشکی کی طرف بڑھ رہی ہیں، جس سے بہت سے ملکوں کو آبی بحران کا سامنا ہے۔ صاف پانی بڑی نعمت ہے، مگر انسان ساز ماحولیاتی آلودگی سے آج بہت سی جگہوں پر صاف پانی میسر نہیں۔ ہمارے آبی ذخائر آلودگی کا شکار ہیں۔

دنیا کے بیشتر ممالک میں صاف پانی کا مسئلہ بنیادی مسئلوں میں ہے۔ ایک عرصے سے پاکستان کے پسماندہ علاقوں کے باسی آلودہ پانی کے استعمال پر مجبور ہیں۔ نالہ ڈیگ جو مقبوضہ جموں و کشمیر سے نکلتا ہے اور دریائے راوی میں گرتا ہے، یہ کسی دور میں صاف و شفاف تھا جس میں

لاکھوں مچھلیاں موجود تھیں، مگر اب آلودگی کا یہ عالم ہے کہ چمڑہ سازی فضلات، کاسٹک سوڈا، رنگ و روغن، سوڈیم سلفیٹ اور مختلف دھاتوں کے جمع ہونے سے یہ آلودگی کی مثال بن چکا ہے، جس سے راوی بھی آلودہ ہو گیا ہے۔ شمالی سمندر میں آلودگی کی یہ حالت ہے کہ برطانیہ سیلافیلڈ نیوکلیئر پلانٹ (Sellafield Nuclear Plant) تقریباً چھ ملین ٹن فضلہ اس میں پھینکتا ہے۔

آبی آلودگی کا ایک سبب تیزابیت ہے۔ جب بارشوں کا صاف پانی آلودہ فضا میں ضم ہو تو بارش میں تیزابیت شامل ہو جاتی ہے۔ تیزابیت کی وجوہ میں پیڑ پودوں اور جنگلات کے خاتمے کے علاوہ صنعتی آلودگی بھی ہے، جو مختلف گیسوں کی صورت فضا میں موجود ہوتی ہے۔ جمیل احمد اپنے مضمون ٗ تیزابی بارشیں ٗ میں رقم طراز ہیں:

> (بیسویں) صدی کی آٹھویں دہائی کے آخری برسوں میں جرمنی سے جنگلات کے ختم ہونے کی رپورٹیں آنا شروع ہوئیں۔ اس مصیبت کا آغاز سلور فر کے پودوں سے ہوا اور شروع میں کسی نے بھی اس مسئلے کی شدت کو محسوس نہ کیا۔ اس کے بعد جرمنی میں سکاٹ کے چیڑھ، ناروے کے صنوبر اور سفیدے کے درخت بھی متاثر ہونا شروع ہوئے۔ پھر یہ نقصان اس تیزی سے پھیلا کہ 1985ء تک جرمنی کے نصف سے زیادہ درخت اس کا شکار ہو گئے۔ جبکہ دو ہزار درخت شدید حد تک متاثر ہوئے۔ چنانچہ جرمنی کے شمالی حصے کے جنگلات کی زمین ایک میٹر یا اس سے بھی زیادہ گہرائی تک تیزابی ہوگئی، اس زمانے میں جرمنی میں اہمیت کے لحاظ سے بے روزگاری کے بعد دوسرا اہم سیاسی مسئلہ تیزابی بارش کا بن گیا۔(30)

بعدازاں امریکہ و یورپ سے ایسی خبریں نشر ہونا شروع ہوئیں۔ سائنسدانوں کے نزدیک تیزاب پہلے پتوں پر حملہ آور ہوتا ہے، جس سے ان کی ضیائی تالیف کم ہو جاتی ہے اور یہ غذائی اجزا سے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

تیزابی بارشوں کا دوسرا حملہ آبی ماحول پر ہوتا ہے، جس سے آبی مخلوق میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، پانی زہر آلودہ ہو تو آبی مخلوق پر برے اثرات پڑتے ہیں یہاں تک کہ آبی مخلوق کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ پاور سٹیشنوں سے سلفر ڈائی آکسائیڈ کے اخراج سے سکینڈے

نیویا کی جھیلوں میں مچھلیوں کی موت اور امریکہ میں پیدا ہونے والی فضائی آلودگی کے باعث کینیڈا کی جھیلوں میں آبی جانداروں کی اموات ہوئیں۔ ناروے، سویڈن، کینیڈا، امریکہ ایسے ترقی یافتہ خطوں کی اکثر جھیلوں میں مچھلیوں کی تعداد نصف حد تک کم ہو چکی ہے۔ پانی میں موجود پی ایچ میں کمی تیزابیت کو بڑھاتی ہے۔ قدرتی بارش کے پانی کی پی ایچ 5.6 ہوتی ہے۔ اس کی کمی آبی مخلوق کے لیے ضرر رساں ہے۔

جھیلوں میں جب پی ایچ 5 سے کم ہو جاتی ہے، تو مچھلیوں پر اس کا اثر شدید ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ٹراؤٹ، سلمن اور ایل مرتی ہیں۔ اس کے بعد پرچ اور کارپ بھی لقمۂ اجل ہو جاتی ہیں۔ اسی کے نتیجے میں ماہی خور عقاب، غوطہ زن پرندے، اور اود بلاؤ، کی طرح کی مچھلیاں اور آبی حشرات کھانے والے جانوروں کی انواع بھی زوال کا شکار ہوتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تیزابیت کے زہریلے اثرات ہیں اور دوسری وجہ ان کی تیزی سے ختم ہوتی خوراک کی رسد ہے۔ مچھلیاں صرف سلفر کی وجہ سے نہیں مرتیں بلکہ ایلومینیم بھی ان کی موت کا باعث ہے۔ چنانچہ جب ان کے ماحول میں تیزابیت بڑھتی ہے تو مٹی میں موجود ایلومینیم پانی میں حل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ایلومینیم مچھلیوں کے گلپھڑوں میں خلل پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں ان کی سانس لینے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔(31)

ناروے سویڈن اور کینیڈا تیزابی بارشوں سے زیادہ متاثرہ ممالک ہیں مگر اب تو تیسری دنیا کے ممالک بھی اس عذاب سے دوچار ہیں۔ چند ممالک میں تیزابی بارشوں سے درج ذیل تیزابیت کے ریکارڈ سامنے آئے۔

ملک	تیزابیت
سوئٹزرلینڈ	3.3
امریکہ	3.5
سویڈن	3.3
کینیڈا	3.5
پنسلوانیا	7.2
مغربی ورجینا	5.1۔(32)

جرمنی و جاپان نے صنعتی ترقی میں اپنا مقام تو بنا لیا مگر دوسری طرف تیزابی بارشوں کے باعث مٹی کی تیزابیت سے زمین کی پیداواری صلاحیت میں کمی واقع ہوئی۔

کارخانوں سے نکلنے والا کیمیکل، کھاد، جراثیم کش ادویات، تیل اور پلاسٹک وغیرہ آبی ذخائر کو شدید متاثر کر رہے ہیں۔ بالخصوص تیسری دنیا میں ایسے زہریلے کیمیکلز کو ٹھکانے لگانے کا کوئی انتظام موجود نہیں ہے، اس لیے انھیں دریاؤں، سمندروں، نہروں اور ندی نالوں میں پھینک دیا جاتا ہے، جس سے آبی آلودگی جنم لیتی ہے اور نتیجتاً آبی مخلوق میں بیماریاں جنم لیتی ہیں، حتیٰ کہ ان کی اموات واقع ہو جاتی ہیں۔

تیل کے پانی میں ضم ہونے سے پانی پر ایک تہہ بن جاتی ہے، جو ہوا اور پانی میں پردے کا کام کرتی ہے، اس عمل سے پانی میں آکسیجن کی کمی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ پانی میں بو جنم لیتی ہے۔ آبی آلودگی سے آبی مخلوق میں بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور ان کے اعصاب مضمحل ہو جاتے ہیں۔ زمین کو دی جانے والی کیمیائی کھادوں کی کچھ مقدار پانی کے ذریعے آبی ذخائر تک جا پہنچتی ہے، اس وجہ سے بھی آبی جانوروں کو نقصان ہوتا ہے۔ بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ تیسری جنگ پانی کی جنگ ہو گی اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ پانی کی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے، جس میں امریکہ و چین اگرچہ پیش پیش اور ایک دوسرے کے مدِمقابل ہیں لیکن پاکستان بھی بھارت کے آبی منصوبوں کی زد میں ہے۔

تحفظِ ماحول کی تجاویز

ماحولیات سے متعلقہ تنظیمات اور ماہرین نے ماحول کو بہتر بنانے کے لیے مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ تمام ممالک میں ماحول سے متعلقہ ادارے ماحول کی بہبود کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہر ملک نے ماحول کے لیے قانون سازی کی ہے مگر اصل مسئلہ ان پر عمل کا ہے۔ ماحول کو آلودگی سے بچانے، آلودگی کم کرنے اور زندگیوں کو بچانے کے لیے درج ذیل نکات اہم ہیں۔

* شجرکاری مہمات کا آغاز کیا جائے، جو مہمات جاری ہیں، ان پر مزید توجہ دی جائے۔
* موجودہ جنگلات کی تجارت پر پابندی لگائی جائے اور ان کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔
* نئے جنگلات اگائے جائیں۔

* غیر قانونی شکار پر پابندی عائد کی جائے۔
* ڈیزل کی جگہ پٹرول کو ترجیح دی جائے۔
* گاڑیوں کا استعمال کم کیا جائے، ذاتی گاڑیوں کی بجائے لوکل ٹرانسپورٹ کا استعمال کیا جائے۔
* فضلات کو جلانے پر سزا مقرر کی جائے۔
* دیہی آبادی کی شہروں میں منتقلی کی حوصلہ شکنی کی جائے۔
* صنعتوں کو کم کیا جائے یا مزید صنعتوں کی تعمیر سے گریز کیا جائے۔
* صنعتوں میں طبی سہولیات اور ان کے قریب فائیر بریگیڈ اور (1122) ایسی حفاظتی سہولیات مہیا کی جائیں۔
* مزدور فیکٹری میں حفاظتی لباس کو یقینی بنائیں، جس سے جسم مکمل طور پر ڈھکا ہو۔
* صنعتوں کو آبادی سے دور بنایا جائے اور ان کی تعمیرات کا مقام اور ڈیزائن قدرتی آفات کو مدِنظر رکھ کر کیا جائے۔
* تعلیمی اداروں، پارکوں وغیرہ میں سگرٹ نوشی ممنوع قرار دی جائے۔
* مجبوری میں فلٹر والے سگریٹ کا استعمال کیا جائے (اس سے نقصان کم ہوتا ہے)۔
* تمباکو نوشی کے خلاف سیمینار کروائے جائیں، ٹی وی چینلوں پر ان کے اشتہارات پر پابندی لگائی جائے۔
* کچی سبزیوں اور سلاد وغیرہ کو اچھی طرح دھو کے کھایا جائے۔
* حرام اور آلودہ کھانوں سے گریز کیا جائے۔
* گھر سے نکلتے ہوئے ماسک کا استعمال کیا جائے۔
* آلودہ پانی کو بغیر معالجے کے آبی ذخائر میں جانے سے روکا جائے، اس کے لیے معالجہ پلانٹ لگائے جائیں۔
* صنعتی فضلات سے قابل استعمال اشیا کو دوبارہ الگ کر کے استعمال میں لایا جائے (اس طرح معاشی فائدہ بھی ہوگا اور آلودگی بھی کم ہوگی)۔
* گھروں میں پانی پینے سے پہلے ابالا جائے۔
* پانی کی شفافیت کے لیے فلٹرز عام کیے جائیں۔

تحفظِ ماحول کے ادارے اور تحریکیں

ماحولیاتی مسائل کے حل کے لیے دنیا میں بے شمار ادارے، تنظیمات اور تحریکات موجود ہیں، جو چھوٹے علاقوں سے لے کر بڑے ممالک اور عالمی سطح پر بھی اپنا کام بخوبی سرانجام دے رہی ہیں۔ان میں صحت سے متعلقہ ادارے اور تنظیمیں، شجرکاری سے متعلقہ تنظیمیں، نیوکلیئر کے خلاف سرگرم تنظیمیں، جو مغربی ممالک میں اپنے تئیں احتجاج کرواتی رہتی ہیں۔ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

سی ڈی سی (CDC):

سی ڈی سی (CDC) Centers for Disease Control and Prevention کا مخفف ہے۔ یہ ریاستہائے متحدہ کا عوامی صحت سے متعلقہ وفاقی ادارہ ہے۔نام سے ظاہر ہے کہ ادارے کا کام بیماریوں کی تشخیص کرنا اور ان کی روک تھام کو ممکن بنانا ہے۔سی ڈی سی کا قیام 1946ء میں عمل میں آیا۔ اس کا صدر دفتر جنوبی امریکہ کی ریاست جارجیا (Georgia) کے شہر اٹلانٹا (Atlanta) میں واقع ہے، جہاں دوسری جنگ عظیم کے بعد ملیریا پھیلا اور اسی مقام سے اس نے ملیریا پر قابو پانے کا اوّلین کارِصحتِ عوام کا آغاز کیا۔ملیریا پر قابو پا لینے کے بعد طاعون، دماغی بخار اور کتے کے کاٹنے کی بیماری پر توجہ دی۔ 1952ء میں امریکہ میں پولیو سے 5000 افراد سے زائد تعداد میں شہری اپاہج اور ہلاک ہوئے، جس پر سی ڈی سی کے اشتراک سے ڈاکٹر جونس نے پہلی پولیو ویکسین تیار کی اور 1979ء تک امریکہ سے پولیو کا خاتمہ کر دیا، یوں اس کا کینوس بڑھتا گیا اور اب یہ ادارہ نہ صرف امریکہ بلکہ عالمی بیماریوں پر تحقیقی کام سرانجام دیتا ہے۔حالیہ ناول کورونا وائرس کے حوالے سے سی ڈی سی ہزاروں ٹیسٹ کٹیں دنیا بھر میں ارسال کر چکا ہے۔

عالمی ادارہ صحت (WHO):

1952ء میں اقوامِ متحدہ کی تشکیل کے معاملات و مقاصد پر سفارت کاروں کی گفتگو کے دوران عالمی صحت کے ادارے کی بحث بھی موضوعِ مکالمہ بنی۔ عالمی ادارہ صحت یا (world

WHO(World health organization) عالمی سطح پر عوام کی صحت پر کام کرنے والا ایک بڑا ادارہ ہے۔ یہ اقوامِ متحدہ کا ذیلی ادارہ ہے، جو 7 اپریل 1948ء کو قائم ہوا تھا۔ اس ادارے کا مرکزی دفتر جینیوا (سوئٹزرلینڈ) میں ہے۔ بان کی مون (Ban Ki-Moon) عالمی ادارہ صحت کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ ادارے کا مقصد دنیا بھر کے لوگوں کو بیماریوں سے تحفظ دلانا اور بہترین صحت کی فراہمی ہے۔ چین اس ادارے کو 40 ملین فنڈ دیتا ہے جبکہ امریکہ تقریباً 140 ملین ادا کرتا ہے۔ ان دنوں جبکہ کورونا وائرس کا تا حال علاج ممکن نہیں ہو سکا، امریکہ نے عالمی ادارہ صحت سے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا ہے۔

محکمہ صحت اور انسانی خدمات:

یہ ریاستہائے متحدہ کا وفاقی ادارہ ہے، جس کا قیام 1953ء میں ہوا۔ محکمہ صحت اور انسانی خدمات Department of health and human services(HHS) کا متبادل ہے۔ اس ادارے کا اصل نام محکمہ صحت، تعلیم اور بہبود تھا جسے 1979ء میں بدل کر محکمہ صحت اور انسانی خدمات رکھا گیا۔ مذکورہ ادارہ سماجی خدمات سر انجام دیتا ہے۔ یہ ادارہ ان افراد پر توجہ دیتا ہے، جو اپنی مدد آپ نہیں سکتے، جن میں معذور اور بزرگ افراد شامل ہیں۔ محکمہ صحت و انسانی خدمات کا کام معاشرے کو وباؤں سے نجات دلانا اور شہریوں کے تحفظ کو یقینی بنانا ہے۔

صحتِ عامہ اور ماحولیاتی ادارے ہر ملک میں (سرکاری و نجی دونوں) سرگرمِ عمل ہیں۔ ایسے ہی کئی این جی اوز اپنے اپنے طور پر ماحولیاتی مسائل سے معاشرے کو نجات دلانے کی کاوشیں کر رہے ہیں۔ اگر ان اداروں اور این جی اوز کے سن آغاز پر سرسری نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ ایسے ادارے بیسویں صدی میں وجود میں آئے، گویا ماحولیاتی مسائل کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان اداروں کی ضرورت پیش آئی۔ آج دنیا کے ہر ملک کے شہر شہر بلکہ گاؤں میں بھی ایسی تنظیمات ہیں، جو ماحولیاتی مسائل کو اجاگر کرتی اور عوام کو اس بارے باشعور بنانے میں بھرپور کردار ادا کر رہی ہیں۔ سو یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ماحولیات نہ صرف ایک علم کے طور پر کتابوں پر درج ہے بلکہ یہ ایک تحریک کی صورت میں معاشرتی مسائل حل کرتی نظر آتی ہے۔ یہاں ماحولیاتی تحریکوں کا ذکر ناگزیر ہے۔

صحتِ عامہ کے علاوہ ماحول بچاؤ کے لیے شجر کاری مہمات کا آغاز اہم قدم تھا۔ گزشتہ کئی برسوں میں ایسی مہمات میں تیزی آئی ہے۔ مختلف ممالک اور شہروں میں سرکاری و نجی، چھوٹی بڑی تنظیمات کا جنگلات کے تحفظ کا کام قابل ستائش ہے۔ تعلیمی اداروں میں شجر کاری کے موضوع پر کانفرنسوں کا اہتمام اور ماحولیاتی شعور کو اجاگر کیا جانے لگا ہے۔ اس حوالے سے چند ایک تحریکوں کا ذکر ذیل میں ہے۔

:((Naturhistoriske Onsdags AfteneNOAH

مارچ 1969 ڈینمارک میں کوپن ہیگن یونیورسٹی میں ایک مباحثہ ہوا، جو ماحولیاتی سائنس پر مبنی تھا۔ مباحثے میں طلبہ، اساتذہ، سیاست دان اور صحافی شامل تھے۔ اجلاس میں زمینی، فضائی اور آبی ماحولیاتی مسائل پر لیکچر دیے گئے اور ڈاکومنٹر یز دکھائی گئیں۔ یہ اجلاس اس تنظیم کے قیام کا اعلان تھا۔

NOAH is organised in environmental policy programs concerning Transportation, Food Sovereignty, Environmental education, Forests and Biodiversity, Climate Justice and Energy, Economic Justice, Chemicals and International Solidarity(.33)

چپکو تحریک:

یہ تحریک بھارت میں شجر بچاؤ کی پہلی ایسی تحریک تھی، جس میں اہم کردار عورتوں کا تھا۔ 26 مارچ 1974ء کو ہمالیہ کے جنگلات کے ٹھیکیداروں نے اس دن درختوں کو کاٹنے کا منصوبہ بنایا، جس دن آس پاس کے مردوں کو گاؤں سے دور سرکاری واجبات کی وصولی کے لیے جانا تھا۔ اس دن جب ٹھیکیدار ساز و سامان کے ساتھ جنگل میں درخت کاٹنے پہنچے تو گاؤں کی عورتیں آڑے آ گئیں۔ باز نہ آنے پر عورتیں درخت کے ساتھ لپٹ گئیں اور کہا کہ پہلے ہمیں کاٹو پھر درخت کاٹنا، یوں شام ڈھلنے تک، کہ جب تک ان کے مرد واپس نہ پلٹ آئے احتجاج جاری رہا اور پھر سرکاری حکم کے مطابق اس وقت تک درختوں کی کٹائی نہیں کی گئی، جب تک ہمالیہ کے جنگلات کی ساری زمین درختوں سے بھر نہیں گئی۔ اسے تاریخ میں چپکو تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سندر لال بہوگنا اور

گورا دیوی کااس تحریک میں بنیادی کردار تھا (اس تحریک سے خواتین کی فطرت سے دلچسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے)۔

گرین بیلٹ تحریک(Green Belt Movement):

اس تحریک کا سہرا کینیا کی سیاست دان ونگری ماتھی (Wangari Maathai) کے سر ہے۔عملی طور پر ماتھی کا تعلق حیاتیات (Biology) سے تھا۔ 1977ءمیں اس نے اپنی چند دوستوں کے ساتھ مل کر اپنے آنگن سے درختوں کے پودے لگا کر اس کی ابتدا کی، یہاں سے گرین بیلٹ تحریک(Green belt movement) کا آغاز ہوااور 2005ءتک اس تحریک نے 30 ملین درخت لگائے۔انھیں ٹری وومن (Tree woman) کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ 2004ءمیں ماحول کے حوالے ان کی خدمات کے اعتراف میں انھیں امن نوبل انعام بھی دیا گیا۔اس تحریک کا بنیادی مقصد فضائی آلودگی کو کم کرنا تھا۔

گرین پروجیکٹ تحریک(Green Project Movement):

چین کے ایک علاقے گینگ شی آن میں تقریباً نوے ہزار ہیکٹر ایسا رقبہ تھا، جسے بنجر اور ناقابل کاشت مانا جاتا تھا مگر گرین پروجیکٹ تحریک نے اسے قابل کاشت بنا دیا۔اس علاقے کے مرد روزگار کے سلسلے میں شہروں کی سمت رخ کر چکے تھے، تب یہ تحفظِ ماحول کی ملک گیر تحریک 8 مارچ 1990ءکو خواتین نے شروع کی تھی اور آج بھی 70 فیصد خواتین اس زمین پر کام کر رہی ہیں۔ یہاں بہت سے خواتین 50 سال سے زائد عمر کی ہیں، جن کے جذبہ ماحول سے یہ ممکن ہوا۔ آج اس زمین کو بیروں کے باغات کے نام سے جانا جاتا ہے۔آغاز میں دس کلوفی درخت پیداوار تھا۔درختوں کا سلسلہ آج بیر کی پیداوار 50 کلوفی درخت تک جا پہنچا ہے۔

فری گین ازم(Freeganism):

یہ صارفیت مخالف نظریے کی حامل تحریک ہے، جس کا آغاز 90 کی دہائی میں امریکہ سے ہوا۔فری گینز امریکہ و یورپ کے ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو عمل صارفیت کے بجائے استعمال شدہ چیزوں کا اعادہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ اکثر کوڑے دانوں کے پاس نظر آتے ہیں اور ان ڈبوں سے کھانے پینے اور دوسری استعمال کی چیزیں چنتے ہیں۔ابتدا میں چند لوگ اس ذہن کے حامل تھے

بعدازاں یہ عقیدہ راسخ ہوتا چلا گیا۔ان کا نعرہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کیا جائے۔اسی لیے یہ لوگ منافع خوروں کی کمپنیوں کے صارف نہیں بنتے بالخصوص ملٹی نیشنل کمپنیوں کے۔بلکہ استعمال شدہ چیزیں جنہیں بڑی کمپنیاں پھینک دیتی ہیں انھی کو دوبارہ استعمال میں لاتے ہیں یوں یہ سرمایہ داریت کے خلاف عمل پذیر ہیں،امیر طبقہ قیمتی اشیائے خوردونوش تو بڑے شوق سے منگوا لیتے ہیں پھر انھیں آدھا کھا کے چھوڑ دیتے ہیں ایسی چیزوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے فری گینز انھی پر گزارا کرتے ہیں۔ایسے افراد کو یورپ وامریکہ میں فری گین کہا جاتا ہے۔یہ بارٹر سسٹم کے مطابق لین دین کرتے ہیں۔یہ لوگ نمود ونمائش کی چیزوں سے دور رہتے ہیں۔ایسے ذہن کے لوگ اعلیٰ ظرف اور فراخ دل ہوتے ہیں۔منافع خور بڑی کمپنیاں چوں کہ مزدوروں پر کام کا بوجھ ڈالتی اور ان کا استحصال کرتی ہیں اس لیے فری گینز ان سے اجتناب کرتے ہیں۔اکثر فری گینز سبزی خور ہوتے ہیں، یہ اس لیے بھی گوشت خور نہیں ہوتے کہ اس آڑ میں کثرت سے جانوروں کو مارا جاتا ہے۔اسی لیے یہ فری گینز مشہور ہیں۔یہ دو الفاظ کا مرکب ہے free (آزاد) اور vagan (سبزی خور)۔

Philosophicalvagan.com میں اس حوالے سے درج ہے:

Freeganism is a practice and ideology of limited participation in the conventional economy and minimal consumption of resources, particularly through recovering wasted goods like food. The word"freegan″ is a portmanteau of"free″ and "vegan.″While vegans might avoid buying animal products as an act of protest against animal exploitation, freegans—at least in theory—avoid buying anything as an act of protest against the food system in general. Freeganism is often presented as synonymous with"dumpster diving″ for discarded food, although freegans are distinguished by their association with an anti-consumerist and anti-capitalist ideology and their engagement in a wider range of alternative living strategies, such as voluntary unemployment, squatting abandoned buildings, and"guerilla gardening″ in unoccupied city parks.(34)

ویسمین ایڈم (Weissman Adam) جو ایک متحرک فری گین ہے اس کا کہنا ہے:

''میں کبھی بھوکا نہیں رہا، لوگ جس کھانے کو خراب سمجھ کر کوڑے دان میں پھینک دیتے ہیں، وہ ہمارے لیے صرف کھانے سے بھرے پیکٹ ہوتے ہیں، جسے کھا کر زندہ رہا جا سکتا ہے۔ لوگ کھانے کے معاملے میں بہت زیادہ اسراف کرتے ہیں۔ کوڑے دان ہمیں صرف کھانا ہی مہیا نہیں کرتے، بلکہ اس میں سے بعض اوقات کام کی دیگر اشیا بھی ہاتھ لگ جاتی ہیں۔ میں ان کوڑے دانوں سے کمپیوٹر، ٹیپ ریکارڈ اور کپڑے تک حاصل کر چکا ہوں۔'' (35)

عالمی تحفظ دریا تحریک:

میٹھا اور صاف پانی کا میسر ہونا زمینی زندگی کے لیے انتہائی اہم ہے۔ دریاؤں کا ایک رخ تہذیب و ثقافت کو رواج دینا اور پروان چڑھانا بھی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ شروع شروع میں انسان دریاؤں کے کناروں پر ہی آباد ہوا تھا۔ پانی جانداروں کے لیے ہی نہیں، تمام زمینی عناصر کے لیے لازم ہے۔ امریکہ میں آبی آلودگی کنٹرول ایکٹ 1948ء میں اور جنگلی و قدرتی ندیوں کا ایکٹ 1968ء میں منظور ہوا۔ البتہ اس سے مدتوں قبل کی تہذیبوں نے دریاؤں کا تحفظ کیا۔

دریا بچاؤ تحریک:

یہ تحریک مظفر آباد (کشمیر) سے ابھرتی تحریک ہے، جو دریائے جہلم و نیلم کی بحالی کا مؤقف رکھتی ہے۔ دریا پر بند باندھنے اور مختلف پراجیکٹ کے خلاف کئی احتجاج ریکارڈ کروا چکی ہے۔ تحریک کے رہنماؤں میں راجہ امجد علی خان ایڈووکیٹ، شوکت نواز میر، میر افضال سلہریا، محترمہ سمیعہ ساجد، ظہیر الدین، نسیم چنگیزی، سہیل مغل، عمران میر، سجاد اعوان شامل ہیں۔

ماحولیاتی تنقید، آغاز و ارتقا

ادبی، سماجی، معاشی، سیاسی ضروریات میں ہونے والی ہر تبدیلی شعر و ادب پرکھنے کی بابت نئے نئے نظریات تشکیل پاتے رہتے ہیں۔ ادب سماج میں تخلیق ہوتا ہے اور سماج کا اظہاریہ ہوتا ہے۔ ہر ادب مہابیانیوں سے اثر لیتا رہا ہے اور لیتا رہے گا۔ مہابیانیوں سے میری مراد وہ بڑی

سماجی تحریکیں اور نظریات ہیں جنھوں نے دنیا پر اپنے اثرات مرتب کیے۔کلاسیکیت، رومانویت، ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت ایسی تحریکوں سے دنیا کا ادب مملو ہے۔میکس اول شلیگر نے کہا تھا۔

6We are people who presumably must think of the world in terms of the learned categorical scheme of modernism.(36)

گزشتہ صدی میں بہت سی تحریکوں/نظریات نے جنم لیا اور پھر ان کی جگہ نئی تحریکوں اور نظریات نے لے لی۔کبھی ادب برائے ادب کے نظریے کا پرچار ہوا تو کبھی ادب برائے زندگی کی بحثوں سے محفلیں گرم رہیں۔ابھی کل کی بات ہے کہ بھارت سے ایک رسالۂ آمدُ خورشید اکبر کی ادارت میں نکلتا رہا، جس کا مقصد ادب برائے نجات کے نظریے کو فروغ دینا تھا(کہ ادب کو ہر نظریے سے نجات درکار ہے)، مگر ہوا یہ کہ ادب اور ادیب اسی نظریہ(نجات) سے نجات پا گئے۔وزیر آغا نے کہیں لکھا ہے کہ یہ خواہش کرنا کہ تمام خواہشات کا خاتمہ ہو جائے، فی نفسہ ایک خواہش ہے۔مابعد جدید دور میں تو ادب ایک مسلسل دھارے کی صورت میں ہے۔ہر چند سالوں بعد حدود کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔جدید ادب پر اثر انداز ہونے والے اکثر نظریات کا آغاز یورپ سے ہوا، بیسویں اور موجودہ صدی میں تھیوریز اس قدر تیزی سے جنم لی رہی ہیں کہ ایک تھیوری جب تک ہمارے پاس پہنچتی ہے، اس وقت تک اُدھر(یورپ میں) نئی تھیوری/ اینٹی تھیوری کا آغاز ہو چکا ہوتا ہے۔اسی بات کو ولیم روئیکرٹ اندازِ دگر میں بیان کرتا ہے:

If you do not get in on the very beginning of a new theory, it is all over with before you can even think it through, apply it, write it up, and send it out for publication.(37)

ایسے بدلتے اور گزشتہ نظریات کی جگہ لیتے نئے نظریات میں سے ایک نیا نظریہ Ecocriticism یعنی ماحولیاتی تنقید ہے۔نئے عہد میں ایک طرف تو سائنس کی ترقی نے انسانی زندگی کے لیے سہولیات مہیا کیں اور عیش وعشرت کا سامان کیا، جبکہ دوسری طرف مادہ پرستی اور انسانی ہوس سے اردگرد کا ماحول بُری طرح متاثر ہوا۔اس ترقی کی دوڑ سے کارخانوں کے ذریعے فضا میں زہر گھلنے لگا، زمین اور شور کی آلودگی بڑھنے لگی، مختلف کیمیائی مادوں سے پانی آلودہ ہوا۔ماحول کی آلودگی اس قدر بڑھی کہ روز اخباروں میں اس کا تذکرہ ہونے لگا ہے۔ماحولیاتی آلودگی میں جتنا اضافہ ہو چکا ہے، آج سے پہلے کبھی نہ تھا۔یہ آلودگی مزید بڑھتی چلی جا رہی ہے، جس کے منفی

اثرات ماحول میں موجود ہر شے کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ماحولیاتی مسائل انسانی گرفت سے نکلتے جا رہے ہیں (بعض مسائل بعید از گرفت ہو چکے ہیں)۔ اس آلودگی کی نمایاں وجوہات میں آبادی میں اضافہ، شہر کاری اور بالخصوص صنعت کاری ہیں۔ دیہات کے فطری ماحول سے شہروں کے صنعتی ماحول کی سمت لوگوں کا جانا، بدوؤں کا شہروں میں جھونپڑیاں اور جھگیاں بنانا، کئی وباؤں کا سبب ہے۔ ان حالات کے نتیجے میں جو مکتبِ فکر وجود میں آیا، اسے ماحولیاتی تنقید کہا جاتا ہے۔

شیرل گلاٹفیلٹی (Cheryll Glotfelty) نے ماحولیاتی تنقید کی درج ذیل تعریف کی:

Ecocriticism is the study of the relationship between literature and physical environment.(38)

ماحولیاتی تنقید ادب میں طبعی ماحول کے بیانیوں کی بازگشت کا نام ہے۔ ماحولیاتی تنقید قدیم اور جدید ادب میں نہ صرف ماحولیاتی عناصر کا تجزیہ کرتی ہے، بلکہ جانداروں پر ماحولیات کے اثرات کا جائزہ بھی لیتی ہے۔ 60 کے عشرے سے امریکی ادب میں ماحولیاتی مضامین اپنی جگہ بناتے دکھائی دیتے ہیں، مگر پہلی مرتبہ ecocriticism (ماحولیاتی تنقید) کا اشارہ 1970 کے عشرے کے آخری سالوں میں ہوا۔

Ecocriticism as a concept first arose in the late 1970s, at meeting of the WLA(the western literature association).(39)

پہلی مرتبہ یہ اصطلاح (ecocriticism) ولیم روئیکرٹ(Willium Rueckert) نے اپنے مضمون 'An Experiment :Literature and Ecology in Ecoriticism' جو 1978ء میں شائع ہوا، میں استعمال کی۔ ولیم کے مضمون کے عنوان میں بھی ایکو کریٹی سزم کا لفظ موجود ہے۔ ماحولیاتی تنقید نے انیسویں صدی کے تین امریکی فطرت نگاروں رالف والڈ ایمرسن (Ralph Waldo Emerson)(1882_1803)، مارگریٹ فُلر (Margaret Fuller) (1850_ 1810)، اور ہنری ڈیوڈ تھورے(Henry David Thoreau)(1862_1817) کی نگارشات سے اثر قبول کیا۔ ان ادیبوں کی تحریروں کا بنیادی موضوع فطرت تھا۔

امریکہ میں 1980 کی دہائی میں ماہرین ماحولیات نے چند ماحولیاتی منصوبوں کا

آغاز کیا، جن میں کچھ ماحولیاتی تنظیموں کا قیام اور ماحولیاتی پرچوں اور کتابچوں کا اجرا کیا گیا، 1989 میں WLA(the Western Literature Association) کی میٹنگ میں شیرل گلاٹفیلٹی نے ماحولیاتی تنقید کے فروغ پر بات کرتے ہوئے یہ سفارش کی تھی کہ The study of nature writing (سبز مطالعات) کو ماحولیاتی مطالعات میں شامل کیا جائے یا ایسی نگارشات جن کا تعلق فطرت سے ہے، انہیں ecocriticism کے نام سے جانا جائے اور اس پر توجہ مرکوز کی جائے۔ابتدائی ماحولیاتی تنظیمات میں ایک اہم نام ASLE (Association for the study of Literature Environment) ہے، جس کی بنیاد 1992 میں رکھی گئی۔ 1989ء میں امریکی مصنفہ اور انگریزی ادب کی پروفیسر ایلیشیا نائیٹیکی (Alicia Nitecki) نے The American Nature Writing News Letter اور 1993ء میں مرفی (Murfie) نے Inter Disciplinary Studies in Literature Environment کا اجرا کیا، جس میں ماحولیاتی طرز کی تحریریں شائع کی گئیں۔ ماحولیاتی تنقید پر شیرل گلاٹفیلٹی اور ہیرالڈ فرام کی ادارت میں امریکہ سے نکلنے والا پرچہ The Ecocriticism Reader (1996: Landmarks in literary Ecology) اس حوالے سے اہم ہے، کہ اس میں ماحولیاتی ادب اور ماحولیاتی تنقید کے حوالے سے چھبیس (26) طویل مضامین شامل تھے۔ گلاٹفیلٹی نیواڈا یونیورسٹی (امریکہ) میں ادب اور ماحولیات کی پہلی پروفیسر تھیں۔ماحولیاتی مطالعات کو بعض جامعات کے نصابات میں شامل کیا گیا۔

In the 1990,the University of Nevada, Reno, created the first academic position in literature and Environment.(40)

گویا امریکہ میں 1990ء کی دہائی کے آغاز میں ادبی ماحولیاتی مطالعات کا شعبہ مستحکم ہو چکا تھا۔ماحولیاتی تنقید پر ابتدائی مضامین نگاروں میں بعض مصنفین صحافت سے تعلق رکھتے تھے۔ اخباروں اور نیوز چینلز نے ہی اس طرف توجہ مبذول کروائی۔گویا ماحولیاتی خبروں نے ماحولیاتی ادب کو رواج دیا۔ امریکہ میں صنعتی کام میں عجلت کے باعث جو ماحولیاتی خطرات پیش آئے، ماحولیاتی تنقید کے آغاز کے محرکات ثابت ہوئے۔اس پر خبریں، کالم اور مضامین لکھے گئے۔ انگریزی زبان میں ماحولیات (ecology) پر معلومہ ابتدائی مضامین درج ذیل ہیں:

1: The historical roots of ecological crisis, by Lynn White(1967)

2: From transcendence to Obsolenscence: A route map by Harold Fromm(1978)

3: Cultivating the American garden by Frederick Turner (1985)

4: The Land and Language of desire: Where deep ecology and post-structuralism meet by Sueellen Campbel(1989)

5: Nature and Silence by Christopher Manes(1992)

6: The uses of landscap: The picturesque aesthetic and the National park system by Alison Byerly(1996)

البتہ ایکو کریٹی سزم پر ابتدائی مضامین درج ذیل تھے:

1: Litrature and Ecology: An Experiment in Ecocriticism by Willium Rueckert(1978)

2: Ecocriticism by Petter Barry(1993/1994)

بعدازاں اس تھیوری کا اطلاق ادبی اصناف پر کیا گیا مثلاً امریکہ میں پال سینڈر ر(Paul Sanders Quick) نے ایک مقالہ An Ecocritical Approach to the Southern Novels Of Cormac Mccarthy لکھا، یوں ماحولیاتی تنقید نظری مباحث سے بڑھ کر اطلاقی مباحث اختیار کر گئی۔

مغربی ادب میں ماحولیاتی تنقید رومانویت کے زیرِ اثر آئی۔ رومانویت میں فطرت سے متعلقہ تصورات اور کیفیات کا پہلو ماحولیات کی پہلی لہر ثابت ہوا۔ یہاں ماحولیاتی تنقید نے ورڈز ورتھ کی رومانوی ماحولیات سے اثرات قبول کیے۔اس حوالے سے جاناتھن بیٹ(Jonathan Bate) کی 1991 میں شائع ہونے والی کتاب "Romantic ecology: Wordsworth and the environmental tradition" خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ 1994ء میں Peter Barry کی کتاب Begnning Theory شائع ہوئی، جس میں بنیادی ادبی تنقیدی تصورات کے مباحث پر مشتمل مضامین درج تھے۔اس کتاب کا آخری مضمون کا عنوان 'Ecoriticism' تھا، بعدازاں ولیم ہاورتھ (William Howarth)

کی کتاب Some principles of ecocriticism مغربی ادبی منظرنامے پر آئی، اس کے علاوہ لارنس کوپے (Laurence Coupe) کے پرچے The green studies reader: (from Romanticism to Ecocriticism(2002) نے برطانیہ میں اس تھیوری کی جڑیں مضبوط کیں۔گویا مغرب میں 90ء کی دہائی کے آغاز سے شروع ہونے والی ماحولیاتی تنقید چند برسوں میں مستحکم ہوگئی۔ماحولیاتی تنقید جلد ہی مغربی جامعات میں بطور مضمون پڑھائی جانے لگی اور گزشتہ چند سالوں کے دوران یورپ میں ایم۔اے، ایم۔فل، پی ایچ ڈی تک کے پروگراموں کے لیے کئی مقالات لکھے جا چکے ہیں، جو نہ صرف ماحولیاتی نظری مباحث پر مشتمل تھے، بلکہ اطلاقی پہلوؤں پر بھی توجہ دی گئی۔انگریزی کی نظموں اور بہت سے ناولوں کے ماحولیاتی مطالعے کیے گئے۔مثلاً

1: An Ecocritical Study of J.G. Ballard's Climate Fiction Novels by Cenk TAN, Supervisor Prof. Dr. Mehmet Ali ÇELÝKEL, Pamukkale University(The Institute of Social Sciences, Doctoral Thesis, The Department of English Language and Literature, PhD Programme)

2: Environmental Discourse: Spatiality, Power and Non-Human Concerns in Monique Roffey's_The White Woman on the Green Bicycle_ and_Sun Dog_

3: Ecocritical Forms of Engagement with Nature and Texts by Serpil Oppermann, Department of English Language and Literature, Hacettepe University, Ankara, Turkey

4: Transnationalization of Ecocriticism by Serpil Oppermann, Anglia(October 2012)

5: Ecocriticism: Natural world in the Literary Viewfinder, by Serpil Oppermann(1999(

6: Toxic Bodies and Alien Agencies Ecocritical perspectives on ecological others by Serpil Oppermann,

7: Globality, Difference, and the International Turn in

Ecocriticism by Ursula K. Heise, published in PMLA (modern language association of America)(2013

بھارت سے ڈاکٹر ملکہ اور کلکتہ سے ڈاکٹر بھتا چارجی نے An Analysis of Eco-criticism and Literature with special reference to the works of Hardy and Dickens کے عنوان سے مقالہ لکھا۔

اردو میں ماحولیاتی تنقید پر اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں خامہ فرسائی شروع ہوئی۔ اول اول قدرتی آفات اور سائنس و ٹیکنالوجی اور ان کے اثرات پر مشتمل تحریریں سامنے آئیں بعد ازاں ماحولیاتی تنقید (ecocriticism) پر بھارت سے مولا بخش اور پاکستان سے احمد سہیل، ناصر عباس نیر اور قاسم یعقوب کے مضامین ادبی منظر نامے کا حصہ بنے۔ ایک کتاب ماحولیاتی تنقید: نظریہ و عمل ڈاکٹر اورنگ زیب کی مرتبہ ہے، جو کہ انگریزی زبان میں ماحولیاتی تنقید پر لکھے گئے مضامین کے ترجموں پر مشتمل ہے۔

ماحولیاتی تنقید کا دائرہ کار:

"ماحولیاتی تنقید، ادب اور طبیعی ماحول کے ان رشتوں کا مطالعہ کرتی ہے، جن کا اظہار قدیم، کلاسیکی، جدید اور مابعد جدید ادب میں ہوا اور ان امکانات کی طرف ہمیں متوجہ کرتی ہے کہ ادب کس طور طبیعی ماحول کی بقا و حفاظت میں اپنا کردار ادا کرسکتا ہے۔" (41)

گلاٹفیلٹی کا کہنا ہے کہ ناقدین کی ذمہ داری ہے کہ ادبی متون میں موجود پوشیدہ ماحولیاتی عناصر کو ادبی تنقید کا موضوع بنائیں۔

ماحولیاتی تبدیلیاں دو صورتوں میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ ایک قدرتی آفات کے ذریعے اور دوسری صورت، انسان کے تراشیدہ ماحولیاتی مسائل کے سبب۔ قدرتی آفات میں طوفانی بارشیں، زلزلے، سیلاب، آندھیاں اور آب و ہوا کی شدت کے نتیجے میں ماحول کو تبدیل کرتے اثرات شامل ہیں۔ ایسے مسائل پر انسان بے اختیار ہوتا ہے، البتہ جس قدر ممکن ہو اپنا تحفظ کرتا ہے۔ دوسری صورت انسان ساز ماحول کی ہے، ایسا ماحول جو انسان نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اس سے چاہتے ہوئے بھی نہیں بچ سکتا۔ جدید نظریہ ماحولیات اسی نئی لہر پر اپنی توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے۔ عمومی طور پر ماحولیاتی تنقید کو چار لہروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ فطرت نگاری کی لہر، بشر

مرکزیت مخالف رویہ، زمین مرکزیت کی لہر، صنعت وٹیکنالوجی۔ پہلی لہر میں ادب اور فطرت کا تعلق زیرِ بحث آتا ہے، بالخصوص فطری منظر کشی، بشر مرکزیت مخالفت میں انسان کے ذریعے ماحول پر پڑنے والے اثرات سے بحث کی جاتی ہے، ماحولیات زمین مرکز ہے، سو اس مضمون میں اہم ترین نکتہ زمین ہے، جس کے ماحولیاتی نظام پر کلام کیا جاتا ہے، جبکہ آخری اور جدید لہر صنعت وٹیکنالوجی سے متعلقہ ہے، یہ لہر صنعت کے اثرات کو زیرِ بحث لاتی ہے۔

ماحولیاتی تنقید کا نظریہ اس پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کس طرح ادب میں ماحولیاتی حوالے درآئے اور ادیبوں نے کس انداز سے فطرت سے لگاؤ کا اظہار کیا۔ ماسوا اس کے، کیا اسباب تھے کہ ماحولیاتی مطالعات کی ضرورت پیش آئی۔ نہ صرف یہ کہ ماحولیاتی مطالعات بلکہ ماحولیاتی تنقید ادب میں ماحولیاتی پہلوؤں کو سامنے لاتی ہے، بلکہ موجودہ ادبی منظر نامے کو ماحولیاتی عناصر سے لبریز کرتی جا رہی ہے۔ اس حوالے سے نسترن احسن فتیحی لکھتی ہے:

> ”ادبی مطالعے میں ماحولیاتی تنقید کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب انسان نے اپنی ضروریات کے پیشِ نظر دنیا کی ساری چیزوں کو زیرِ تصرف کر دیا۔ ان اشیا میں جاندار بھی ہیں اور بے جان بھی۔ ایک جرثومہ (بیکٹیریا) سے لے کر سورج جیسے فلکی اجسام سبھی انسان کی خدمت اور نفع رسانی کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔ شجر و حجر، معدنیات، ہوا، پانی، جنگلات، قدرتی وسائل، حیوانات، چرند پرند اور خود انسان اس عظیم ماحول کا حصہ ہیں۔ جب تک ماحول کے یہ اجزا روبہ عمل رہے، قدرت یا فطرت کا توازن ٹھیک ٹھاک رہا۔ ماحول کا اثر انسان کی جسمانی بناوٹ، رہائش، طرزِ حیات، غذا اور دیگر سرگرمیوں پر پڑتا ہے۔ یہ ساری چیزیں جب تک فطری انداز میں رہیں ساری دنیا کا نظام معمول کے مطابق رہا اور انسان اپنے ماحول سے پوری طرح فیض یاب ہوتا رہا۔ مگر بڑھتی ہوئی آبادی، سائنسی انکشافات کے غلط استعمال اور انسانی ہوس نے قدرت میں دراندازی شروع کر دی۔“ (42)

درج بالا اقتباس سے چند اہم نکات سامنے آتے ہیں:

ا۔ انسان کی اہمیت یا بشر مرکزیت کا نظریہ

۲۔ انسان کی قوتِ تسخیر
۳۔ ضروریات سے بڑھ کر خواہشات کا حصول
۴۔ سائنسی و صنعتی ترقی
۵۔ فطرت کی حکمرانی
۶۔ نیا ثقافتی بیانیہ
۷۔ انسان پر ماحول کے اثرات

ماحولیاتی تنقید میں فطرت نگاری کو خاص حیثیت حاصل ہے، اسی لیے اسے سبز مطالعات (Green Studies) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور فطرت پر لکھی گئی تحریروں کو ماحولیاتی تنقید کے ذیل میں لکھا جاتا ہے، مگر یہ بات بھی قابل غور رہے کہ جب ہم انوائرمینٹل سٹڈیز کہتے ہیں تو اس سے مراد سبز مطالعات یعنی فطرت لیتے ہیں، اس کے برعکس ایکولوجی میں فطرت میں موجود زندگیوں کے فطرت کے ساتھ تعلقات و تفاعلات شامل ہو جاتے ہیں۔ شیرل گلاٹفیلٹی نے اس بحث کو اٹھایا اور اس نے the studies of nature writing کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے ecocriticism میں شامل کرنے کی سفارش کی تھی۔ چوں کہ مغرب میں ایسا ادب موجود تھا، جسے ہم فطرت نگاری کہتے ہیں، لہٰذا ماحولیاتی مباحث میں فطرت کی لہر پہلی لہر کے طور پر سامنے آئی اور Nature writings کو ecocriticism کے ذیل میں پر رکھا گیا۔ مارگریٹ فلر کی Summer on the lakes اور Mountains: A natural history and hiking guide ایسی کتابیں ہیں، جن میں فطرت کے عناصر پر بحث کر گئی ہے۔

فطرت کسی شے کی اصل حالت ہے، جس میں مصنوعی پن نہ ہو۔ ہر وہ شے فطرت ہے، جو خدا کی طرف سے انسان کو بنی بنائی مل گئی۔ فطرت کے لیے قدرت کا لفظ بھی عموماً استعمال کیا جاتا ہے، مگر قدرت طاقت کے زیادہ قریب لفظ ہے۔ فطرتی ماحول میں دشت و بیابان اور چٹیل میدان، پہاڑ اور جنگلات شامل ہیں، مگر جب ہم سبز مطالعات یا سبز انتقادیات کہتے ہیں، تو ہمارا ذہن جنگلات اور سبزہ زار علاقوں کو سوچنے لگتا ہے۔ زمین پر زندگی کی ابتدا کے وقت ماحول فطری تھا، اس میں کسی قسم کا تصنع نہیں تھا، انسان فطرت میں زندگی گزارتا تھا اور فطرت کا احترام کرتا تھا، غاروں اور جنگلات کے رہائشی فطرتی زندگی بسر کرتے تھے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان

نے جنگلات کاٹ کر مکانات بنانے شروع کیے، پہلے کچے مکانات ہوتے تھے، جہاں کا ماحول فطرت سے قریب تھا، بعدازاں پکے مکانات اور انسانی مصنوعات سے ان مکانات کو مزّین کرنے کے عمل نے فطرت سے دوری کو راہ دی اور پھر انسان اس دوڑ میں اتنا آگے بڑھ گیا کہ فطرت کو روندتا ہوا مقابلتاً ایجادات کرنے لگا۔انسان جو زراعت کرتا تھا، زمینوں کو بیچنے لگا، کاروبار چمکانے لگا اور صنعت کی سمت بڑھنے لگا، یوں یہ انسان ساز ماحول فطرتی ماحول پر غالب آنے لگا اور فطرت کی جگہ ثقافت نے لے لی، اصل کی جگہ 'اصل نما' نے لے لی، جس کے نتائج خطرناک حد تک دیکھے گئے۔پیٹر بیری اپنے مضمون 'Ecocriticism' میں خارجی علاقوں کی تقسیم یوں کرتا ہے:

1. The wilderness
2. The scenic sublime
3. The countryside
4. The domestic picturesque

پہلے علاقے (بیابانی) میں وسیع علاقے جیسے صحرا اور سمندر، دوسرے علاقے (شاندار) جنگلات، جھیلیں اور پہاڑیاں، تیسرے علاقے (دیہاتی) میں پہاڑیاں اور کھیت اور آخری یعنی چوتھے علاقے (گھریلو) میں پارک اور باغیچے شامل ہیں۔ بیری وسیع علاقوں سے مختصر علاقوں کی طرف آتا ہے اور بعد کے علاقوں (مناظر) پر پہلے علاقوں کو ترجیح دیتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وسیع علاقے فطرت کے شاہکار ہوتے ہیں اور ان میں انسانی عمل دخل نہیں ہوتا، گویا یہ خالص فطری مناظر ہیں۔بعد کے علاقے کم وسیع اور انسانی مداخلت کا شکار ہیں، جہاں انسانوں نے فطرت سے الگ 'مصنوعی فطرت' بنا رکھی ہے۔یہ فطرت سے ثقافت کی سمت کا سفر ہے۔گویا، ماحول بنیادی طور پر دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ جو قدرت نے بنایا جسے ہم فطرتی ماحول کہتے ہیں اور دوسرا انسان ساز مصنوعی ماحول۔فطرت خالص ہے، جبکہ ثقافت میں انسانی دخل کارفرما ہے۔ماہرین ماحولیات سائنس کے برعکس فطرتی ماحول کو ترجیح دیتے ہیں، یہاں Ecocriticism سائنس کو بھی رد کر دیتی ہے۔ماحولیاتی تنقید کو آخرالذکر ماحول کسی صورت منظور نہیں، کیوں کہ اسی ثقافتی نظام نے ماحول کو خراب کیا اور زمین کو آلودہ کیا ہے۔ ہنری ڈیوڈ تھورے (Henry David Thoreau) فطرت سے لگاؤ کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے" I love Nature Partly because she is not man but a retreat from him" (43) وہ انسان کو

ناگواری سے دیکھتا ہے، کیوں کہ انسان ہی نے فطرت کو مسخ کیا اور اس کے مقابلے میں ایک نیا نظام لا کھڑا کیا۔ فطرت اور انسانی ذہن کے مابین تعلق پر لکھے گئے ادب میں تھورے کا رسالہ 'The Journal of Henry David Thoreau' خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایمرسن Nature میں لکھتا ہے:

We are as much strangers in nature, as we are aliens from God. We do not understand the notes of birds. The fox and the deer run away from us; the bear and tiger rend us. We do not know the uses of more than a few plants, as corn and the apple, the potato and the vine. Is not the landscape, every glimpse of which hath grandeur, a face of him?(44)

کونین کی ہر چیز توازن پہ ہے قائم
فقدانِ توازن ہے تباہی کی نشانی

بشرمرکزیت مخالف رویہ (Anti-anthropocenterism):

انسان مخلوقات میں اشرف اور کائنات میں مرکزی مقام کا حامل ہے۔ تمام اوامر کا محرک، ترقی وعروج کا سبب اور قدرت کا شہکار ہے۔ یہ زمین کا باشدہ ہواؤں اور پانیوں کو مسخر کیے ہوئے ہے۔ تمام چیزیں اسی کا طواف کرتی ہیں۔ تمام علوم اسی (انسان) کے گرد گھومتے ہیں، گزشتہ صدی میں دیکھیے کہ سماجیات، سیاسیات، نفسیات ایسے جدید علوم میں مرکزی کردار انسان رہا، البتہ مابعد جدید تھیوریز جدید تھیوریز سے مختلف طرق پر سامنے آئیں۔ بعض ناقدین نے مابعد جدیدیت کو جدیدیت کی وسعت کہا اور بعض نے مخالف سمت۔ جدیدیت فرد مرکز ہے، جبکہ مابعد جدیدیت تکثیریت سے بحث کرتی ہے، یہ ثقافتی مطالعات کو زیرِ بحث لاتی ہے۔ مابعد نظریہ بنیاد پرستی اور انسان دوستی سے منکر ہے۔ یہ مہابیانیوں کو رد کرتا ہے مثلاً جوہریت مخالف، سرمایہ داری مخالف وغیرہ۔ ہر نشانِ تحکم اسے ناگوار ہے۔۔۔ ماحولیاتی تنقید مابعد جدیدیت کا مسئلہ ہے۔ مابعد جدید فکر ماحولیاتی تنقید کو اساس فراہم کرتی ہے۔ یہ جدیدیت مخالف اور اپنی اساس میں مابعد جدید ہے۔

جیسا کہ ذکر ہوا مابعد جدید فکر مہابیانیوں کو رد کرتی ہے، اسی طرح یہ بشرمرکزیت کے خلاف بھی آواز اٹھاتی ہے۔ ماحولیاتی فکر میں انسان دیگر جانداروں کی مثل ماحول کا ایک حصہ ہے، لہٰذا

اس کی حیثیت اور اہمیت ماحول میں موجود جانداروں سے زیادہ نہیں، اس تصور کو حیات مرکزی تصور(biocentrism) کہا جاتا ہے۔

The most important challenge to traditional hierarchies in ecology is the concept of biocentrism-the conviction that humans are neither better nor worse than other creatures (animals, plants, bacteria, rocks, rivers(but simply equal to everything else in the natural world.(45)

بشر مرکزیت میں مرکزیت انسان کو حاصل ہے، اس کے کارناموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، مگر یہ نظریہ ماحولیاتی تنقید کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ بشر مرکزیت کا اقرار گویا کئی نظریات کو نظر انداز کرنا ہے، اس سے دیگر نظریات حاشیہ کی سمت رخ کر جاتے ہیں، لہٰذا ماحولیاتی تنقید اسے روندتے ہوئے اپنی راہ بناتی ہے۔ ماحولیاتی تنقید ماحول مرکز ہے، جبکہ انسان نے ماحول کو آلودہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس حوالے سے ناصر عباس نیر کا کہنا ہے کہ:

> ''جدید عہد میں بشر مرکزی فکر کے زیرِ اثر نہ صرف طبیعی ماحول سے بیگانگی وجود میں آئی، بلکہ اسے نت نئی ٹیکنالوجیز کی ایجاد سے تسخیر کرنے اور اپنی فتح و برتری کے خود قصیدے لکھنے کا رواج بھی ہوا۔ فطرت اور طبیعی ماحول کی موجودہ تباہی کے پس پشت یہی بشر مرکزی فلسفہ نشان زد کیا گیا ہے۔''(46)

یہ انسان ہی ہے جس نے فطرتی نظام کے مقابل مصنوعی نظام لا کھڑا کیا، جس کے نتائج آج مختلف بیماریوں اور اموات کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں اور آئے روز ان میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پوری دنیا میں انسانی ہاتھ کی مصنوعات، مشینیں تیار کر رہی ہیں، یورپ میں انسانوں کا کام روبوٹ کر رہے ہیں اس سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس قدر تیز ترقی سے صورتِ حال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ امریکی ملٹری اور کارپوریٹ سیکٹر مصنوعی ذہانت (artificial intelligence) پر اربوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔ AI کے ماہر ماروِن منسکی کا کہنا ہے کہ دنیا میں مصنوعی ذہانت کا حقیقی امکان ہے۔ اس ایک بات سے اندزہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کا سفر بلندی کی طرف ہے یا زوال کی سمت کہ وہ انسان جو مرکزِ کائنات تھا منہا ہونے واالا ہے۔ انسان نے مختلف ذرائع سے ماحول کو

متاثر کیا، جواب میں ماحول نے انسان کو متاثر کیا۔ اس بارے میں John Barry اپنی کتاب Environmenal and social theory میں لکھتا ہے:

The importance of analysing the environment and social theory can also be seen when one consider that the majority of world's environmental problems are largely the result of human social action or behavior. Global warming for example, is accepted by the vast majority of world's scientists to be the result of increased carbon emissions by humans, principally through energy production and comsumption(the burning of fossil fuels, such as coal, gas and petroleum to create electricity(and forms of transport which rely on such fossil fuels. Hence, social theory, defined below as the systematic study of how society is and ought to be, has an important role to play in explaining, understanding and providing possible solutions to the environmental crises.(47)

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے تقریباً تین سو سال قبل ایک مگرمچھ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا، اے مگرمچھ! جس طرح تو آج سب کے خاتمے پر تُلا ہوا ہے، یہ نہ بھول کہ ان سب کے خاتمے میں تیرا خاتمہ بھی مضمر ہے۔ The Round River میں Aldo Leopold نے ایک واقعہ درج کیا ہے کہ جرمنی میں ایک پہاڑ کی دو ڈھلوانوں (شمالی اور جنوبی) پر شاہ بلوط کے درخت اگا کرتے تھے، شمالی ڈھلوان کو صاف کر کے اسے آباد کیا گیا، کچھ عرصے بعد وہاں جنگل لگانے کی کاوش ہوئی، مگر اس جگہ کی مٹی مخصوص نباتات اگانے کی صفت کھو چکی تھی، سو شاہ بلوط کا ایک درخت نہ اگ سکا، اس انسانی عمل کا نتیجہ غیر متوقع ماحولیاتی ردِعمل کی صورت میں ظاہر ہوا، اسی کے مصداق انسان نے سائنس میں ظاہراً ترقی کر لی اور چاند تک جا پہنچا، مگر یہی ترقی اس کے زوال اور خاتمے کا سبب بن گئی ہے۔ ماحولیات کی زبان میں یہ صنعتی ترقی، صنعتی آلودگی ہے۔ ماحول کی خرابی انسان کی وجہ سے ہے، اسی لیے ماحولیاتی تنقید بشر مرکزی تھیوری کو ناگوار سمجھتی ہے۔ یہ تنقید انسانی ہاتھ سے (بذریعہ ٹیکنالوجی) وجود میں آنے والی فطری ماحول سے بیگانگی اور نئے ماحول کا تنقیدی مطالعہ کرتی ہے۔

جولڑ رہے ہیں وہ سارے ہمارے اپنے ہیں

ماحولیاتی تانیثیت (Eco-feminism):

تانیثیت (feminism) مردمرکزیت سے مخالف رویہ ہے۔ پلم وُڈ نے بشر مرکزیت (anthropocentrism) کو تانیثیت کی اصطلاح مردمرکزیت (androcentrism) کے مانند قرار دیا، جس سے ایک نیا پہلو سامنے آیا اور وہ یہ کہ ماحولیات میں تانیثیت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا، یہاں تک کہ ecocriticism میں ایک باب ecofeminism یعنی ماحولیاتی تانیثیت یا ماحولیاتی نسوانیت کا وا ہوا۔

تانیثیت (feminism) عورت کے بااختیار ہونے کا نعرہ ہے۔ حقوقِ نسواں کے ناقدین feminist کہلاتے ہیں۔ اٹھارویں صدی میں میری وول سٹون کرافٹ (Mary Wollstonecraft) نے حقوقِ نسواں کی آواز بلند کی۔ میری کا کہنا تھا کہ عورتوں کو عقلی وجود کے طور پر دیکھنا چاہیے۔ اس کا رتبہ مرد سے کم نہیں، چوں کہ اس کی تعلیم مرد سے کم ہے، اس لیے اسے معاشرے میں کم اہم سمجھا جاتا ہے۔ 1792ء میں اس کی کتاب A vindication of the rights of woman سامنے آئی، جس میں عورتوں کو مرد کے مساوی حقوق دینے کا مقدمہ پیش کیا گیا تھا۔ 1848ء میں سینیکا فالس کنونشن (امریکہ) سے اس تھیوری کا آغاز ہوا، جس میں تین سو مرد اور عورتوں نے دونوں جنسوں کے حقوق میں برابری پر اپنا موقف پیش کیا، یہ تانیثیت کی پہلی لہر تھی، 1902ء میں الزبتھ کیڈی سٹینٹن سینیکا فالس ڈیکلیریشن کا تحریری خاکہ تیار کیا گیا، جس میں نئی تحریک کا نظریہ پیش کیا گیا۔ سینیکا فالس کنونشن کو حقوقِ نسواں کا پہلا کنونشن کہا جاتا ہے۔ بعدازاں یہ معاملہ اتنا زور پکڑ گیا کہ تانیثیت عالمی ادبی رجحان کے طور پر پوری دنیا میں اپنی جگہ بناتی گئی اور ایک تحریک بن گئی۔ پہلی دنیا کی خواتین جب چاہیں مردوں کے خلاف کیس فائل کر سکتی ہیں اور من مانی (womanism) کی زندگی گزار سکتی ہیں، مگر تیسری دنیا کے نسوانی حالات پہلی دنیا سے مختلف ہیں، یہاں پدرسری نظام کا غلبہ ہے، البتہ آج تیسری دنیا کی عورتیں بھی پہلی دنیا کی خواتین کے احتجاج کی طرز پر کارڈ ڈسپلے کیے احتجاج کر رہی ہیں۔ تانیثی ذہن رکھنے والے اس بات پر مصر ہیں کہ معاشرے میں عورت کو مرد کے برابر حیثیت دی جائے نہ کہ دوسری یا کم۔ اس تحریک نے عالمی ادب پر اثرات مرتب کیے اور ہر زبان میں فیمینزم پر لکھا جانے لگا۔ تھورے کی ہمعصر

مارگریٹ فُلر ابتدائی فیمینسٹ تھی، جس نے اس موضوع پر کھل کر اظہارِ خیال کیا۔فلر کی کتاب Woman in nineteenth century اس حوالے سے اہم ہے۔تانیثیت کی مختلف نظریات میں حریت پسند تانیثیت (liberal feminism)، مارکسی تانیثیت (Marxist feminism)، انتہا پسند تانیثیت (Feminism redical)، تحلیل نفسی تانیثیت (Psychoanalytic feminism)، وجودی تانیثیت (Feminism existentialist)،مابعد جدید تانیثیت (Post modern feminism)،سماجی تانیثیت (Social feminism)، ماحولیاتی تانیثیت (Eco-feminism) شامل ہیں۔آخر الذکر نظریے کا تعلق ماحولیاتی تنقید کے ساتھ ہے۔جس طرح ماحولیاتی تنقید ماحولیاتی استحصال کے خلاف ایک آوازِ بلند ہے،اسی طرح ماحولیاتی تانیثیت مرد کے استحصال کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔ماحولیاتی ناقدین کا کہنا ہے کہ انسان (مرد) جس طرح فطرت کا استحصال کر رہا ہے،اسی طرح جانوروں اور عورتوں کا بھی استحصال کر رہا ہے۔مرد مرکزیت میں عورت کہیں پیچھے رہ جاتی ہے اس لیے ماحولیاتی تنقید ماحولیاتی تانیثیت کی صورت میں عورت کے حق میں صدا بلند کرتی ہے،مگر اس کا مزاج سماجی نہیں ماحولیاتی ہے۔

Eco-Feminism کی اصطلاح Francoise d'Eaubonne نے وضع کی۔ اردو میں اس کا ترجمہ ماحولیاتی مادریت/ ماحولیاتی تانیثیت/ ماحولیاتی نسوانیت کیے گئے ہیں۔ماحولیاتی تانیثیت فطرت اور پدرسری جبر کے خلاف آواز ہے۔ماحولیاتی مسائل سائنس و ٹیکنالوجی کے کثیر استعمال کا نتیجہ ہیں،جس پر مردوں کا قبضہ ہے،لہٰذا ماحولیاتی تانیثیت اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ ماحول میں بہتری کے لیے عورت جیسی فکر اور جذبے کی ضرورت ہے۔شیرل ڈوبیا گو نے دعویٰ کیا تھا کہ ماحولیاتی شعور عورت کا روایتی شعور ہے۔ماحولیاتی تانیثیت عورت اور فطرت کے باہمی تعلق کا بیانیہ ہے۔مرد کے مقابلے میں عورت کا فطرت سے تعلق بہتر انداز کا ہے، زراعت،دستکاری،برتن سازی،ٹوکری سازی،پھول کاری،سوت کاتنا ایسے امور عورت کا فطرت سے عمیق تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔بقول اقبال:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں(48)

عورت کھیتوں میں سارا سارا دن کام کرتی ہے، پھولوں کو پسند کرتی ہے، سبزہ زاروں سے لگاؤ رکھتی ہے اور یہ پہلو/ جذبہ ایک مرد کی نسبت عورت میں زیادہ ہے۔ زمین کو ماں 'مادرِ ارض'، 'دھرتی ماتا' اسی نسبت سے کہا جاتا ہے کہ زمین اور عورت میں چند صفات مشترک ہیں۔ "Ecofeminist نظریہ خواتین کی جدو جہد اور تمدنی ارتقا میں فطرت اور ماحول سے ان کے گہرے اور بامعنی رشتے کو تسلیم کیے جانے کا نام ہے" (49)۔ مرد کاروباری ذہن کا حامل ہے اور شہروں کی سمت رجحان رکھتا ہے جہاں کا ماحول فطرت سے دور ہے۔ امریکی شاعرہ ایڈرین رچ (Adrienne Rich) کے شعری مجموعے Dividing into the wreck کی نظمیں ماحولیاتی تانیثیت سے متعلق ہیں، جس میں مرد کی حیثیت تباہ کنندہ کی ہے، جو عورت کا استحصال کرتا نظر آتا ہے۔ ماحولیات اور ماحولیاتی تانیثیت گریٹا گارڈ (Greta Gaard) کا خاص موضوع رہا، گریٹا ان نقادوں میں شمار ہوتی ہے، جن کا ماحولیاتی تانیثیت پر ابتدائی کام ہے۔ اس حوالے سے اس کی درج ذیل کتب بنیادی نوعیت کی ہیں۔

Ecofeminism(Ethics And Action((1993)

Ecofeminist Literary Criticism: Theory, Interpretation, Pedagogy(Environment Human Condition((1998)

Ecofeminism on the wing: Perspectives on human-animal relations(2001)

Ecofeminism and Globalization: Exploring Culture, Context, and Religion(2003)

Critical Ecofeminism(Ecocritical Theory and Practice (2019)

جدید سائنسی و صنعتی نظام اور ہماری ثقافت:

زمین پر زندگی کی ابتدا ہوئی تو اس وقت اس کرّہ حیات پر فطرت کی حکمرانی تھی۔ ہر طرف لہلہاتا سبزہ، بلند و بالا پہاڑ، دریاؤں اور سمندروں کی بے کنار وسعت، نیلا اور صاف آسمان، پانی برساتے ندی نالے، حسین وادیاں، پرندوں کی صدائیں، کوئلوں کی کوکو، کووں کی کائیں کائیں، چڑیوں کی چہچہاہٹ، جنگلی جانوروں کی مخصوص سریلی آوازیں تھیں، پھر انسان نے سماجی ترقی کی اور آبادی بڑھنے لگی، اس بڑھتی آبادی کی ضروریات کے لیے درخت کاٹے گئے، زمینوں کو بریدکیا

گیا، جس سے سبزہ زاروں کا حسن کم ہونے لگا اور انسان ساختہ نظام قائم ہونے لگا، جسے علمِ بشریات میں انسانی ثقافت کہا گیا ہے۔ ماحولیاتی منظر بدلنے لگا اور انسان ثقافتی، صنعتی اور سائنسی اعتبار سے ترقی کرتا چلا گیا۔ اس کا دھیان اس طرف نہ گیا کہ آیا یہ سلسلہ ترقی کا ہے یا تنزلی کا۔ پھر اس (ظاہری) ترقی میں ایک وقت ایسا آیا کہ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال نے ایک لمحے میں لاکھوں کی تعداد میں زندگیوں کا قتل بھی کیا اور یہ نئی انسانی ثقافت کا خطرناک اظہار یہ تھا۔ آج ہم کسی باغ میں سیر کے لیے (فطرت کی سمت) جاتے ہوئے بھی موبائل فون (فطرت سے دوری) ہاتھ میں رکھتے ہیں، یہی فطرت سے ثقافت کی سمت کا سفر ہے کہ ہم فطرت سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ صحیح معنوں میں اس سے لطف اندوز نہیں ہو پاتے۔ ثقافت کسی معاشرے میں بنتی، بدلتی رہتی ہے جسے معاشرے کے افراد بالخصوص مقتدر طبقہ رواج دیتا ہے، آج کا ثقافتی منظر نامہ سائنس و ٹیکنالوجی سے مزین ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے ہمیں ایسا جکڑ لیا ہے کہ ہمارے رسوم و رواج اس سے خلط ملط ہو چکے ہیں۔ ہماری صبح کا آغاز موبائل فون کے استعمال سے ہوتا ہے، ایک ہی گھر میں مختلف ڈیوائسز کے سبب باہمی فاصلے پیدا ہو گئے ہیں۔ مائیکل جے۔ میکڈوول (Mcdoweel.Michael J) اپنے مضمون The Bakhtinian road to ecological insight میں گیری سنائڈر (Gary Snyder) کی کتاب The Practice of the Wild کے حوالے سے ایک منظر کو بیان کرتا ہے کہ جب سینڈرز کا سامنا great smokey mountain پر ایک خاندان سے ہوتا ہے:

> ''مئی کی ایک سہ پہر جب آسمان پر رنگ بکھرے تھے، پرندے شام کے گیت گانے کے لیے درختوں پر بیٹھ چکے تھے۔ ہوا میں صنوبر کی خوشبو رچی تھی، سینڈرز اپنے خیمے سے باہر آیا اور گراؤنڈ کے قریب پارکنگ ایریا کو عبور کر کے ایک پہاڑی چٹان پر جا بیٹھا تا کہ ڈھلتے سورج کا نظارہ کر سکے۔ پارکنگ ایریا کے مرکز کے قریب ایک وین کھڑی تھی۔ جس کا انجن آن تھا۔ ائیر کنڈیشنر چل رہا تھا اور پردے گرے ہوئے تھے۔ ایک ذرا اٹھے ہوئے پردے میں سے سینڈرز نے دیکھا کہ ایک خاندان ٹیلی وژن پر ٹارزن کی فلم دیکھ رہا تھا۔'' (50)

درج بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح فطرت میں ثقافت اور فطرتی منظر میں ثقافتی منظر کی دخل اندازی ہو چکی ہے۔ جہاں فطرت کے حسین مناظر (درختوں، پرندوں، سورج کی شکل میں) ہیں وہاں ثقافت کے عناصر (وین، ائیر کنڈیشنز وغیرہ) بھی موجود ہیں۔ یوں ایک نظام کی جگہ دوسرے نظام نے لی۔

ثقافت انسان کے اپنے ہاتھ کا بنایا نظام ہے جس میں انسان جکڑ چکا ہے، جبکہ فطرت خدا کا نظام ہے۔ انسان نے جب بھی فطرت کے مقابلے میں کوئی شے یا نظام وضع کیا، اس کے نتائج منفی صورت میں ظاہر ہوئے۔ پہلے پہل انسانی ضروریات اور بڑھتی خواہشات نے فطری ماحولیاتی عناصر کو کم کیا جس سے قدرتی لازمی گیسوں کی ماحول میں کمی واقع ہوئی اور پھر صنعت وٹیکنالوجی کی ایجادات کے استعمال نے زہریلی گیسوں کو جنم دیا جس نے ماحول کو میلہ کر دیا۔ یہی صنعتی نظام ماحولیات تنقید کی نئی لہر ہے۔

کھیوڑہ میں نمک کی کان جس سے زمانہ قبل مسیح سے نمک حاصل کیا جانے لگا بعد از اں سائنسی بنیادوں پر اس کی کٹائی اور نمک اخذ کرنے کا عمل جاری رہا۔ 1891ء میں ایف ڈی ریڈ مائننگ انجنیئر نے سٹیم انجن منگوا کر چھکڑوں کے ذریعے سے اس کان سے نمک نکالنا شروع کیا، جس کا نقصان یہ ہوا کہ مزدوران انجنوں کے زہریلے دھوئیں سے کئی امراض کا شکار ہو گئے۔ کہا جاتا ہے آج بھی اس دھوئیں کے نشانات کھیوڑہ کان میں موجود ہیں۔ آج دنیا میں تمام تر ترقی کا انحصار مشین ہے جس کے نتائج بہت خطرناک، مضر اور دیرپا ہیں۔ ہم نے فطرت سے ٹکر لی اور تباہ و برباد ہونے لگے۔ کارخانوں اور موٹر گاڑیوں سے نکلتا دھواں نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ جانور، حشرات اور پیڑ پودوں کے لیے بھی خطرناک ثابت ہوا۔

جنگلات جہاں کی خاموشی میں گیان اور چلّے کاٹے جاتے ہیں، گزشتہ چند برسوں میں تیزی سے کاٹے گئے ہیں۔ بروس برجر کی زبان میں جنگلات وسیلۂ آگہیٔ ذات ہیں:

Wilderness is above all an oppurtunity to heighten one's awareness, to locate the self against the nonself. It is a sprinboard for intropection.(51)

ڈاکٹر وزیر آغا کہتے تھے کہ درخت مجھ سے کلام کرتے ہیں۔ انسان اور درخت کا تعلق بہت اہمیت کا حامل ہے۔ نو آبادیاتی نظام کے ساتھ ہی درختوں کی کٹائی کا عمل شروع ہو چکا تھا،

جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ جنگلات معاشی سرمایہ ہیں، عمارتی لکڑی، جڑی بوٹیاں، شہد، گوند، چمڑا، ربڑ اور بہت سی صنعتیں خام مال کے اعتبار سے جنگلات پر منحصر ہیں۔ جنگلات سیر و تفریح کے لیے تھے، جس سے مادی فائدہ بھی حاصل ہوتا۔ راہب، گیانی، صوفی ایسی خاموش فضاؤں میں زندگی گزار کر قرب و عرفانِ الٰہی پاتے۔ قدیم تہذیب میں ایسے مذاہب بھی گزرے ہیں جن میں درختوں کو متبرک مانا جاتا تھا، لوگ درختوں کو اگاتے، سینچتے، نگہداشت کرتے اور پوجتے تھے۔ رفتہ رفتہ لوگ فطرت سے دور ہونے لگے اور مادہ پرستی کی دھن میں اور معاشی خوشحالی کے شوق کے لیے نہ صرف جنگلات کاٹے گئے بلکہ جنگلی جانوروں کا کثرت سے شکار کیا جانے لگا، اسلحے کے ذریعے ہاتھی جیسے بڑے جانور آسانی سے شکار ہونے لگے۔ بڑھتی آبادی کی رہائش، غذائی فراہمی اور مختلف اشیا کی تیاری کے لیے جنگلات سے سامان لیا گیا۔ عالمی جنگوں کی تباہی بھی جنگلات کے خاتمے کا سبب بنی اور جنگلی جانور مارے گئے، یہاں تک کہ بہت سے جانوروں کی نسلیں معدوم ہوگئیں یا ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ مثلاً ببر شیر، چیتا، گینڈا، بارہ سنگھا، پہاڑی کوئل، لال تیتر وغیرہ، اس کے علاوہ کئی سود مند پودے اور بوٹیاں بھی مٹ گئیں جو بہت سی انسانی بیماریوں کے علاج کا ذریعہ تھیں، اس صورتِ حال سے فطرتی نظام میں بگاڑ پیدا ہوا اور آب و ہوا میں حد درجہ تبدیلی واقع ہوئی۔ انسانوں نے اپنی خواہشات اور حکمرانی کی خاطر زمینوں کو بنجر کیا، جنگلات کو آگ لگائی اور موجود اشیا کا بے دریغ استعمال کیا، جس سے مصنوعات میں کمی آئی اور اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اصل کی نقل تیار کی جانے لگی، جس سے نظامِ ماحول تبدیل ہوا۔ حتیٰ کہ ہماری خوراک بھی خالص نہ رہی۔ ارضِ وسیع کو تنگ کر دیا، اتنی تعمیرات کیں کہ انسان راستوں میں ہی کھو کر رہ گیا، فلک بوس عمارتیں، پل، پلازے وغیرہ کی تعمیرات کے علاوہ مکانات کی زیادتی اور ایسے ہاؤسنگ ڈیزائن سے انسانوں میں باہمی تنہائی اور اجنبیت بڑھی جس سے شناخت کے گم ہونے کا مسئلہ (identity crises) پیش آیا:

اتنا ہی احساس بڑے تنہائی کا
گھر میں جتنے زیادہ کمرے ہوتے ہیں

دوسری طرف آبادی کی کثرت سے گندگی میں اضافہ ہوا۔ صفائی کا خیال نہ رکھنے سے آس پاس کا ماحول زہر آلودہ ہوا اور انسان کا سانس لینا تک محال ہوگیا۔ ہم جن ذرائع سے ماحولیاتی کُرّے پر دولت پیدا کر رہے ہیں درحقیقت وہ ذرائع ماحولیاتی نظام کے لیے تباہی کا باعث ہیں، گویا

ہمارا پیداواری نظام ہی وجہِ خرابئ ماحول ہے۔

ہماری خوراک میں مختلف قسم کے کیمیکلز کا استعمال بھی ہوتا ہے، جس سے انسانی بیماریاں اور اموات تک کے کیسز دیکھنے میں آئے ہیں۔آئے روز ایسی خبریں سننے کو ملتی ہیں، کبھی خوراک کھانے سے اموت واقع ہوتی ہیں تو کبھی خوراک تیار کرنے والی فیکٹریوں کو اس وجہ سے سیل کر دیا جاتا ہے کہ ان میں کیمیکل کا استعمال کیا گیا تھا۔بے رنگ و بے ذائقہ مصنوعی کیمیائی مرکب ڈی۔ڈی۔ٹی جو کیڑے مار دوا کے طور پر استعمال ہوتا ہے، کے فصلوں میں سپرے سے طویل عرصے تک ماحول میں موجود رہتا ہے جو خوراک کے ذریعے انسان جسموں میں داخل ہوتا ہے جو انسان کے گردوں اور پھیپھڑوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

ہم انتہائی درجے تک ٹیکنالوجی میں جکڑے جا چکے ہیں اور اس جکڑ بندی میں ہماری مرضی شامل ہے۔ہم سوتے جاگتے موبائل فون کا استعمال کرتے رہتے ہیں، جس سے آنکھوں کی بینائی پر بُرا اثر پڑتا ہے، سر درد ہوتا ہے اور رات گئے تک اس ٹیکنالوجی کے استعمال سے دن میں تارے نظر آنے لگتے ہیں۔ٹیکنالوجی کی ہر وقت کی عادت سے رویوں میں منفی پہلو در آتے ہیں۔

لیزر ایسا طاقتور آلہ ہے، جس کی شعاع سے چند سیکنڈ میں کسی سکے میں سوراخ ہوسکتا ہے۔ یہ لیزر ہی ہوتی ہے، جس سے کٹائی اور ویلڈنگ کا کام لیا جاتا ہے، یہاں تک کہ سخت سے سخت دھات کی کٹائی لیزر سے ممکن ہے۔سائنٹفک اور فکشن فلموں سے ریزگن کی حیرت انگیزی سے حقیقی لیزر کی سمت سفر بڑھا۔1917ء میں البرٹ آئن سٹائن نے پہلی مرتبہ لیزر کا تصور پیش کیا، جسے 1960ء میں کیلیفورنیا کے ایک سائنس دان ٹی ایچ میامن نے ایجاد کیا۔جلد اور اس پر موجود بالوں کی صفائی کے لیے لیزر کا استعمال کیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ خطرناک بھی ہوتا ہے۔اس سے رنگت کی خرابی اور جلد کی بیماریاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔سر کے بالوں کے مختلف ڈیزائن کے لیے استعمال ہونے والا کیمیکل بالوں کو مُردہ اور سر کی جلد کو زخمی کر دیتا ہے۔

Handsfree کے استعمال سے قوتِ سماعت پر بُرا اثر پڑا۔موبائل فون، ٹیبلیٹ، کمپیوٹر وغیرہ سے ریڈیو ایکٹو شعاعیں خارج ہوتی ہیں جس سے جسم کا کینسر ہوسکتا ہے، ان آلات کا زیادہ استعمال برین ٹیومر کی اہم وجہ ہے۔سپیکرز، بیس فُل ساؤنڈز اور موٹر گاڑیوں کے استعمال نے شور کی آلودگی کو جنم دیا جس سے انسان میں چڑچڑاپن پیدا ہوا۔ان گاڑیوں سے خارج ہوتا دھواں

ماحول کی خرابی کا باعث بنا۔ بندوق کی گولیوں اور بم دھماکوں سے انسانی اعضا حد درجہ متاثر ہوئے اور بے شمار لوگ جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔الغرض جدید ٹیکنالوجی نے انسان کو پریشان ذہن دیا ہے، اسے سست، کاہل، نکما کر دیا ہے۔اس کے استعمال سے نہ دن میں چین ہے نہ رات نیند کو سکون ۔۔۔جدید ٹیکنالوجی نے ترقی یافتہ ممالک کو تباہ کر کے رکھ دیا، عالمی جنگوں میں اسلحے کا استعمال، جاپان پر امریکی بمباری ایسے حربوں نے جہاں بے شمار زندگیوں کو ختم کیا، وہاں بچے کھچے افراد کے احساسات کو بھی کچل دیا۔

اس جوہری طاقت پہ نہ اتراؤ خدارا
فطرت سے ہے ٹکراؤ تباہی کی نشانی

سائنس کی نت نئی ایجادات کے استعمال نے ماحول کو اس قدر آلودہ کر دیا کہ جاندار تیزی سے مرتے جا رہے ہیں اور جو بچ گئے ہیں ان کا زندہ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔اس کا اندازہ جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگا ساکی پر کی گئی امریکی بم باری سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ 16 گست 1945ء کو ہیروشیما پر یورینیم سے تیار شدہ بم گرایا گیا‘‘اس بم سے شہر کا 47 مربع میل رقبہ متاثر ہوا، جبکہ 140000 نفوس ہلاک یا زخمی ہوئے‘‘(52)۔ دوسرا بم اسی سال 9 اگست کو ناگاساکی پر گرایا گیا، جو پلوٹونیم دھات سے بنا تھا۔جاپانی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس حادثے کے بعد سے آج تک اس مقام پر ریڈیو ایکٹو شعاعیں خارج ہو رہی ہیں، جس سے علاقے کے باسیوں کو صحت کے مسائل درپیش ہیں۔ بعد ازاں نیوٹرون بم (Neutron bomb) اور ہائیڈروجن بم (Hydrogen bomb) کے تجربات نے فضا کو خاصا آلودہ کیا۔ڈاکٹر عبدالاحد ایٹمی دھماکے سے خارج ہوتی گیسوں اور اس کے خطرناک اثرات کے حوالے سے اپنے مضمون‘ایٹمی دھماکہ’ میں لکھتے ہیں:

> ‘‘ایٹمی دھماکے سے خارج ہونے والی توانائی کا نصف حرکی توانائی پر مشتمل ہوتا ہے، جس کے ذریعے دھماکہ خیز مواد کا ملبہ اور زمین پر موجود ایسی اشیا حرکت کرتی ہیں، جنہیں ہوا اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بقیہ نصف میں ایکس رے، نیوٹران اور گیما شعائیں شامل ہیں۔دھماکے کے بعد ایک سیکنڈ کا دس لاکھواں حصہ گزرتے ہی توانائی چند منٹ کے فاصلے

تک جذب ہو جاتی ہے اور ایک گرم مواد بناتی ہے، جو اپنے ارد گرد کی ہوا
کو نگل جاتا ہے۔ یہ مواد ایک غبارے کی شکل میں اوپر اٹھتا ہے جس سے
سفید روشنی خارج ہوتی ہے جو کہ آتشی گولہ کہلاتی ہے۔ یہ سفید روشنی آنکھوں کو
اندھا کر سکتی ہے اور جلد کی بافتوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ یہ آتشی گولہ ہوا
میں اتنی بلندی تک جاتا ہے جہاں اس کی کثافت ہوا کی کثافت کے برابر
ہو جائے اور کھمبی (mushroom) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دھماکے
سے سیکنڈ کے دسویں حصے کے بعد ہوا کی ایک دبیز لہر آتشی گولے سے
دیوار کی شکل میں نکلتی ہے۔ یہ دیوار زمین پر موجود اشیا کو توڑ پھوڑ کر رکھ
دیتی ہے۔ تاہم انسانی جسم ساختیاتی لچک کی وجہ سے اس دیوار کی
مزاحمت کرتا ہے۔" (53)

بھوپال میں 3 دسمبر 1948ء میں ایک فیکٹری سے پھیلنے والی گیس سے لوگوں کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، بعض افراد لاغر ہو گئے اور تقریباً 18000 انسان موت کی نیند سو گئے، اور ہزاروں مویشیوں کی جانیں بھی چلی گئیں۔ بچنے والے برسوں بعد بھی جسمانی ونفسیاتی کرب میں مبتلا ہیں۔ چرنوبل کے ایٹمی سیکٹر کا دھماکہ تاریخِ عالم میں بڑا جوہری حادثہ تھا جسے دیکھ کر سوویت یونین کے حکمران بوکھلا گئے اور اس بارے خبر دینے سے ڈرنے لگے۔ 26 اپریل 1982ء کو ہونے والے حادثے پر پہلا سرکاری بیان 29، اپریل کو جاری کیا گیا۔ اس حادثے کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ تابکاری اثرات اتنے شدید تھے کہ ہزاروں افراد جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، سرطان کے بیمار ہوئے۔ آج بھی اس علاقے میں 30 کلو میٹر تک کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ حادثے سے نہ صرف زندہ افراد بلکہ ان کی نسلیں متاثر ہوئی ہیں، آس پاس کے رہائشیوں میں قوتِ مدافعت بہت کم ہو چکی ہے۔ اقوام متحدہ نے اس وقت 9 ہزار افراد کی اموات کی خبر جاری کی، مگر بعد ازاں ماحولیاتی ادارے گرین پیس نے اس فگر سے کئی گنا زائد پر اظہارِ تشکیک کیا ہے۔

ماحولیات اور مابعد نو آبادیات میں مخالفت کا رشتہ ہے۔ مابعد نو آبادیاتی نظام میں درپیش مسائل پر ماہرین ماحولیات اظہارِ ناگواری کرتے نظر آتے ہیں۔ مابعد نو آبادیاتی عہد نے جنگلات کی کٹائی کے ساتھ ساتھ جدید صنعت و ٹیکنالوجی کو فروغ دیا، جس باعث ماحول زیادہ خراب

ہوا۔ مابعد نو آبادیاتی ناقدین ماحولیات نگاری کے حوالے سے محتاط رویہ رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماحولیات اس تاریخ کو نابود کر رہی ہے، جو انھوں نے بڑی جستجو کے بعد دریافت کی ہے۔ مابعد نو آبادیاتی ناقدین نہ صرف ماحولیاتی مسائل کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں بلکہ ان کے نزدیک ماحولیات پسند، اشراف پسند ہیں، یہ انھیں سبز سامراج کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ادبی ماحولیاتی تنقید مذکورہ تمام صورتِ حال کا جائزہ لیتی ہے۔ یہ قدیم و جدید شعر و ادب میں ایسے عناصر کو منظرِ عام پر لاتی ہے، جو ماحولیاتی تبدیلی، سماج، جانداروں اور نباتات پر اس کے اثرات سے تعلق رکھتی ہے۔ بشر مرکزیت کو چیلنج کرتی ہے اور زمینی ماحول کو اول صف کا درجہ دیتی ہے۔ دنیا میں ماحولی کی بدتر صورتِ حال کے پیشِ نظر منصوبے بنائے جا رہے ہیں تاکہ کسی طرح زمین اور ماحول کا تحفظ ممکن ہو پائے۔

حوالہ جات

1. John Barry, Environment and social Theory),London: Roultedge, 2007(p: 13

2. محمد طاہر القادری، ڈاکٹر، شیخ الاسلام، عرفان القرآن،(لاہور:منہاج القرآن پبلیکیشنز، جنوری 2012)،اشاعت سوم،سورہ انبیا،آیت30،ص:553

3. محمداقبال،علامہ،کلیاتِ اقبال اردو،اشاعت دوم(لاہور: سروسز بک کلب،جنوری 1975)ص:28

https//:HYPERLINK "https//:www.britannica.com/science/ecology۴"www. HYPERLINK "https//:www.britannica.com/science/ecology۴"britannica. HYPERLINK "https//:www.britannica.com/science/ecology۴"com/ HYPERLINK "https//:www.britannica.com/science/ecology۴"science/ HYPERLINK "https//:www.britannica.com/science/ecology۴"ecology.4

5. بشارت علی، ڈاکٹر،''ابن خلدون پر ریسرچ''،مشمولہ مقدمہ ابن خلدون،مصنف عبدالرحمٰن بن خلدون (کراچی:نفیس اکیڈمی،1986)ص:123۔

6. https//:www.bbc.com/urdu/science- HYPERLINK "https//:www.bbc.com/urdu/science-50126043"50126043

7. محمدطاہرالقادری،عرفان القرآن،سورہ:رعد،آیت:4۔3،ص:425

8. ایضاً،سورہ:السجدہ،آیت:27،ص:709

9. ابوعبداللہ محمد بن یزیدابن ماجہ الربعی القزوینی،سنن ابن ماجہ شریف مترجم:حضرت علامہ وحیدالزمان خان(لاہور:اہلحدیث اکادمی،سن ندارد)،ابواب الطھارۃِ وسُنَنِھا،ص:174

10. انورمسعود،میلی میلی دھوپ،(اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۲)ص:19

11. محمدطاہرالقادری،عرفان القرآن،سورہ البقرہ،آیت:20،ص:58

12. ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربعی القزوینی، سنن ابن ماجہ شریف، ص:177

13. ایضاً، ص:158

14. https//:www.bbc.com/urdu/science-HYPERLINK "file///:E%/:2509%2520https:/www.bbc.com/urdu/science-50126043"50126043

15. محمد طاہر القادری، عرفان القرآن، سورہ لقمان، آیت:19، ص:701

16. خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا، اسلام اور جدید فکری مسائل (حیدر آباد: المعہد العالی الاسلامی، 2012)، ص:282

17. ابرار احمد، ''ماحول اور انسان'' مشمولہ ادبی نکھار، 2015، مدیر: قاضی عبدالرؤوف، اگست، ص:4

18. محمد طاہر القادری، عرفان القرآن، سورہ نباء، آیت:7۔6، ص:997

19. محمد طاہر القادری، عرفان القرآن، سورہ: انبیاء، آیت:31، ص:553

20. احمد فراز، پس انداز موسم، (اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، 2006)، ص:88

21. ایمیزون برساتی جنگل، آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا ur.m.wikipedia.org

22. جمیل احمد، ''تیزابی بارشیں'' مشمولہ جستجو، مرتبہ زبیر وحید (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 2007)، ص:78

23. محمد طاہر القادری، عرفان القرآن، سورہ انبیاء، آیت:32، ص:553

24. عبدالجبار خان دریشک، ''ماحولیاتی آلودگی انسانی زندگی کے لیے بڑا خطرہ'' مشمولہ ہفت روزہ نکھار، 21 جون تا 27 جون 2018، ص:2

25. محمد طاہر القادری، عرفان القرآن، ایضاً، سورہ الروم،، آیت:24، ص:691

26. ایضاً، سورہ انبیا، آیت:30، ص:553

27. محمد اظہار الحق، دیوارِ آب (اسلام آباد: ابلاغ، ۱۹۸۲)، ص:42

28. بی بی سی نیوز، مدیر: امورجان سمپسن، 17، جون، 2016، ص:4

29. سعید آسی، بیٹھک، روزنامہ نوائے وقت، 18 اگست، 2018ء

30. جمیل احمد، ''تیزابی بارشیں'' مشمولہ جستجو، مرتبہ زبیر وحید (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 2008ء)، ص:79

31. ایضاً

32 ممتاز حسین لیفٹیننٹ کرنل، ماحولیاتی آلودگی (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، 1995)، ص:183

https//:HYPERLINK"https//:www.foeeurope.org/denmark"www.
HYPERLINK"https//:www.foeeurope.org/denmark"foeeurope.
HYPERLINK"https//:www.foeeurope.org/denmark"org/

37. Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader Landmarks in literary Ecology(Athens: University of Georgia press,1996(P: 106 .

38. Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader Landmarks in literary Ecology, P: 15

39. Peter Barry, Beginning Theory: An introduction to literary and cultural theory, second edition, 2002,p:248

40. Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader Landmarks in literary Ecology, P: 17

41۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر ''حرفِ اول'' مشمولہ ماحولیاتی تنقید: نظریہ و عمل، مرتبہ ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 2019)، ص:5

42. نسترن احسن فتیحی، ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اردو افسانہ، ایضاً، ص:40

43. https//:www.goodreads.com/quotes/HYPERLINK "https//:www.goodreads.com/quotes/39726-i-love-nature-partly-because-she-is-

44. Ralf Waldo Emerson, Nature, 2017,Los Angeles, Enhanced Media Publishing, P: 36

45. Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader Landmarks in literary Ecology, P: 128

46۔ ناصر عباس نیر، ''حرفِ اول''، ص:5

47. John Barry, Environmental and social theory, Routledge, London, 1999,P: 8

48۔ محمد اقبال، علامہ، ''عورت'' مشمولہ کلیاتِ اقبال اردو، اشاعت دوم (لاہور: سروسز بک کلب، جنوری 1975) ص:94

49۔ نسترن احسن فتیحی، ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی افسانہ، ص:46

50۔ اورنگ زیب نیازی، ماحولیاتی تنقید نظریہ و عمل، ص:176

51. Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader Landmarks in literary Ecology, P: 352

52۔ عبدالاحد، ڈاکٹر ''ایٹمی دھماکہ'' مشمولہ جستجو، ص:15

53۔ ایضاً، ص:17

اُردو شاعری زمینی ماحولیات کے تناظر میں

مابعد جدیدیت، جدید عہد کی سائنس وٹیکنالوجی کے بے دریغ استعمال پر سوال اٹھاتا ہے۔اس کا دائرہ وسیع سہی، لیکن یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ سائنس ہر شے کو تسخیر نہیں کرسکتی۔مابعد جدید عہد سائنس وٹیکنالوجی کے معاشرے پر پڑتے اس کے اثرات کا جائزہ لیتا ہے۔ادب، سماج میں جنم لیتا اور سماج سے اثر قبول کرتا ہے۔سو، جدید دور میں وقوع پذیر ہوتے حالات کے نتائج کی سنگینی نے ماحول کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔آج ہم ہائپر رئیل (hyper real) زندگی جی رہے ہیں، جہاں چاروں طرف ایک تشکیلی دنیا کے مناظر ہیں۔ہر چیز کی کاپی موجود ہے۔ایسی حقیقتیں، جو از خود تو موجود نہیں ہیں، مگر انھیں بنایا گیا ہے۔مابعد جدید نظریہ ایسی ہی تشکیلی زندگی کا بیانیہ ہے۔

مابعد جدیدیت، جدید کلچر کے خلاف اور خانہ بدوشیت (Deterritorialization) کے حق میں ہے، کیوں کہ اس صورت میں ہم جدید کلچر سے دوری اختیار کر سکتے اور اس کے استحصال سے بچ سکتے ہیں۔ڈاکٹر اقبال آفاقی اس تناظر میں لکھتے ہیں:

> ''مابعد روشن خیال سماج میں اپنی علاقائی حدود کے تحفظ کا مسئلہ ایک خبط کی صورت میں سامنے آیا۔ اس سے مراد کسی قوم کی وہ جغرافیائی حدود ہیں، جن کے اندر حکمران اپنا حکم نافذ کرتا ہے، ان حدود پر سختی سے عمل کراتا اور رعایا کو محکوم رکھنے کے لیے ہر قسم کا جبر روا رکھتا ہے۔
> خانہ بدوشیت ان حدود و قیود پر مبنی نظامِ استحصال کی توڑ پھوڑ کا کارآمد طریق کار ہے''۔(1)

خانہ بدوشیت جغرافیائی حدود سے ماورا ہونا ہے۔جغرافیائی حدود میں مقام کی پابندی اور حکمران کی اطاعت لازمی ہے، جبکہ مذکورہ طریق کار میں فرد آزادی سے اپنے لیے ایسے مقام کا انتخاب کرسکتا ہے، جہاں وہ کھل کر اپنی خواہشات کا اظہار کر سکے۔علاوہ اس کے کسی فردِ واحد یا طاقتور

طبقے کی اطاعت اور استحصال سے بچا جا سکتا ہے، کیوں کہ حکمران طبقہ صرف مفاد پرست طبقے کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ خانہ بدوشیت (Deterritorialization) کے حوالے سے ڈیلیوزی (Deleuze) اور گواٹری (Guattari) کی کتاب A Thousand Plateaus اہم ہیں۔

جدید دور میں ایک مسئلہ دوسرے سیاروں پر زندگی کے عناصر کی تلاش ہے۔ ایسے سیارے جہاں زندگی بسر کی جا سکے اور بنیادی حیاتیاتی اجزائے ترکیبی کے حامل ہوں۔ گزشتہ چند دہائیوں سے چاند پر قدم جمانے کی باتیں زبانِ خاص و عام ہیں، جس کے نتیجے میں زمین کی طرف توجہ کم ہوگئی۔ اس زمین گریز رویے سے شعرا بھی متاثر ہوئے۔

بستیاں چاند ستاروں پہ بسانے والو!
کرۂ ارض پہ بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ (2)

زمین گریز رویے کے باعث نہ صرف زمین مرکز نظریہ حاشیہ کی سمت چلا گیا، بلکہ نئی ٹیکنالوجی کے انتہائی استعمال سے بھی زمین کمزور ہوگئی۔ ماحولیاتی تنقید مابعد جدیدیت کی کوکھ سے جنم لیتی تھیوری ہے، جو سائنس و ٹیکنالوجی کے ماحول پر پڑتے منفی اثرات پر لکھے گئے ادب کو منظر عام پر لاتی ہے۔ ماحولیاتی تنقید نے اس طرف توجہ مرکوز کی اور زمین کی مرکزیت پر بات کی۔ اس حوالے سے شہاب صفدر اپنی نظم 'نا امیدی کی اترتی دھند میں' میں رقم طراز ہیں:

چاند کی تسخیر کا ہے مرحلہ
چاند گاڑی میں کچھ ایسا نقص ہے
سب خلا کے راہرو بے بس ہوئے
اور زمیں سے رابطہ باقی نہیں (3)

فطرت سے ماحولیات کا سفر:

کائنات میں واحد زندہ سیارہ زمین ہے، جس پر زندگی کے مکمل عناصر موجود ہیں مگر گزشتہ چند برسوں سے زمین کا بڑھتا درجہ حرارت، زمین بردگی، زمینی سیلاب و طوفان اور زمینی آلودگی نے زمین کو خطرناک صورتِ حال سے دوچار کیا ہے۔ گزشتہ صدیوں میں ماحول کی صورتِ حال بہ نسبت اکیسویں صدی، بہتر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شعر و ادب میں بھی زمین کی جمالیات اہم موضوع کے طور پر

موجود رہا۔ابتدائی اردو شعراامیر خسرو، قلی قطب شاہ، ولی دکنی وغیرہ کی شاعری میں ہمیں فطرت نگاری کا عنصر بھی نظر آتا ہے۔اردو نظم نگاری میں نئی طرح ڈالنے والے نظیر اکبر آبادی کی نظمیں 'بہار'، 'ہولی کی بہاریں'، 'برسات کی بہاریں'، 'جاڑے کی بہاریں'، 'خربوزے'، 'تربوز' وغیرہ فطری مناظر کا بیانیہ ہیں ۔'برسات کی بہاریں' سے ایک بند ملاحظہ ہو:

بادل ہوا کے اوپر سرمست ہو رہے ہیں
جھڑیوں کی مستیوں میں دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں
گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو! برسات کی بہاریں(4)

انجمن پنجاب کے مناظموں میں مغربی نظموں کی طرز پہ نظمیں کہی جاتی تھیں، جن کا موضوع فطرت تھا۔مثلاً 'برکھارُت'،'برسات'،'ابر کرم' وغیرہ۔ بعدازاں عبدالقادر نے 'مخزن' کے ذریعے اسی قسم کی نظموں کو رواج دیا۔اقبال کی نظم 'ہمالہ' میں ہمالہ کی آسمان کو چھوتی بلندی،'ابر کوہسار' میں بادلوں کے صحرا،گلزار، شہر اور بن پر بادل برسنے کے مناظر،'موجِ دریا' میں موج کی برق رفتاری، جوش و خروش میں کناروں سے ٹکرانا اور چاندنی رات کی کشش سے مدوجزر کے مناظر نمایاں ہیں ۔خوشی محمد ناظر کے مجموعے نغمۂ فردوس میں ایک حصہ''مناظرِ قدرت'' کے نام سے شامل ہے، جس کی نظموں 'پانی میں'،'ہدیۂ سعد'،'فردوسِ زمیں'،'لمودری' میں فطری مناظر کا بیانیہ موجود ہے۔نظم 'پانی میں' سے دوشعر دیکھیے:

کیسے کیسے ہیں دل افروز نظارے اس میں
کوہ پانی میں، چمن پانی میں، بن پانی میں
اک طرف کوہ میں ہے تختِ سلیماں قائم
اک طرف سبز پری کا ہے وطن پانی میں(5)

اُردو نظم کے میدان میں مناظرِ فطرت کے حوالے سے جدید نظم نگاری کا اہم نام مجید امجد کی نظمیں 'یہ سرسبز پیڑوں کے سائے'، 'نیلے تالاب'،'ایک کوہستانی سفر کے دوران میں' قابل غور ہیں ۔وقت کے ساتھ ساتھ صنعت بڑھتی گئی اور مناظر بھی قدرتی کے بجائے مصنوعی ہو گئے، اس حوالے

سے مجید امجد کی نظم جدید طُرُ ق پر سفر کرتی نظر آتی ہے، جس کی مثالیں ریلوے سٹیشن پر/اور ریل کا سفر ہے۔نئی نظم کی طرح نئی غزل بھی بہار وخزاں سے آگے بڑھتی ہوئی سائنسی وصنعتی موضوعات کا احاطہ کرنے لگی۔آج کی غزل گل ولالہ اور چمن دمن کے موضوعات کے ساتھ ساتھ مشینی دور کے مسائل سے متعلق موضوعات کو بھی اپنے اندر سماتے ہوئے نظر آتی ہے۔بیسویں صدی کے آخری عشروں میں لکھی جانے والی غزل میں ماحولیاتی رجحان در آیا اور اکیسویں صدی میں یہ رجحان اس قدر بڑھ رہا ہے کہ آج ماحولیاتی مضامین پر مشتمل مسلسل غزلیں لکھی جارہی ہیں۔

اُردو کے کئی شعرا نے مشینی عہد سے انسان کے تعلق کو بیان کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ رجحان اس قدر بڑھ چکا ہے کہ انسان پر غالب آگیا ہے۔اس بات کا اندازہ روبوٹ مشین سے لگایا جا سکتا ہے جو انسان نما ہے اور انسان جیسا کام کر رہا ہے۔شعرائے اردو نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے۔

اب الجھتے ہو اس مشین سے کیا
رابطہ کٹ گیا زمین سے کیا(6)

میں اس جہان میں کچھ خواب لے کے آیا تھا
مگر یہاں کی تو ساری فضا مشینی ہے(7)

قدرتی ماحولیاتی تبدیلی:

ماحول کی تبدیلی میں قدرتی عناصر کو کسی طرح جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ایک اندازے کے مطابق ہر سال تقریباً دس لاکھ زلزلے آتے ہیں۔بہت سے زلزلے سمندروں اور غیر آباد ویران علاقوں میں آتے ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔دنیا میں بیشتر زلزلے بحیرۂ روم کے نواحی ممالک ترکی، بحرالکاہل کے ساحلی علاقوں اور جزائر جاپان کے آس پاس کے علاقوں تائیوان وغیرہ میں آتے ہیں۔ دنیا میں عموماً تین اقسام کے زلزلے رونما ہوتے ہیں۔۱۔ٹیکٹانی (Tectonic) زلزلے۔۲۔آتش فشانی (Volcanic) زلزلے۔۳۔تصادمی (Impact) زلزلے۔

زلزلے، قحط سالی، طوفان اور سیلاب زمین اور زمینی پیداوار کو متاثر کرتے ہیں۔ زلزلے سے پہاڑ پھٹتے ہیں، زمین کی پختگی میں کمی واقع ہوتی ہے اور زمین بردگی کا عمل واقع ہوتا

ہے۔زلزلہ مکانوں کو منہدم کرتا ہے، جس سے لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں۔بلند و بالا عمارتیں اور ٹاور اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتے۔اس کا اثر انسانی حیات کی طرح دیگر جانداروں، حشرات الارض اور پرندوں پر بھی پڑتا ہے۔زندگی کی باقاعدگی متاثر ہوتی ہے اور سماجی و معاشی حوالے سے نقصانات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

خزاں کے عہد میں پتے شجر کو چھوڑ دیتے ہیں
ہمیشہ زلزلوں میں لوگ گھر کو چھوڑ دیتے ہیں(8)

کہیں زیرِ زمیں بھونچال کی گونج آ رہی ہے
پرندے شہر کو بیدار کرتے جا رہے ہیں(9)

اک زلزلے میں کوہ کی بنیاد ہل گئی
شہزاد مجھ کو پست لگیں سب بلندیاں(10)

ایک تحقیقی جائزے کے مطابق اب تک وطن عزیز میں پچاس ہزار سے زائد زلزلے ریکارڈ کیے گئے ہیں، تاہم ان میں زیادہ شدت والے مہلک زلزلے 1935ء اور 1955ء میں کوئٹہ میں، 1947ء میں سوات کے علاقے میں، 2001ء میں صوبہ سندھ کے سرحدی علاقے میں اور 8 اکتوبر 2005 میں مظفر آباد آزاد کشمیر میں آنے والے ریکارڈ کیے گئے۔ملک پاکستان میں شدید ترین زلزلہ 8 اکتوبر 2005ء میں آیا، جو پاکستان کے شمالی علاقے میں آیا تھا۔ ایکٹر اسکیل پر اس کی شدت 6.7 ریکارڈ کی گئی۔اس زلزلے سے اسلام آباد، بالاکوٹ، مانسہرہ، کشمیر، ہزارہ سمیت گردونواح اور مضافات کو شدید نقصان پہنچا۔لاکھوں لوگ بے گھر ہوئے۔شاہراہیں بردگی کا شکار ہوئیں۔اشجار ٹوٹ گئے اور پرندوں کے گھونسلے تباہ ہو گئے۔بعض افراد ملبے میں دب کر مر گئے یا شدید زخمی ہوئے۔وحید احمد اپنی نظم ”شہر آثارِ قدیمہ ہوئے“ میں اس زلزلے کے بارے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

آٹھ تاریخ تھی اکتوبر کی
اور سن دو ہزار پانچ کا تھا

زلزلاتی ہوئی اٹھی اک لہر
دھوپ میں ڈول گئی کشتیِ شہر
شاہراہوں میں دراڑیں آئیں
آشیانوں بھرے اشجار گرے
سر دگرجوں کی صلیبیں چیخیں
پھر اذانوں بھرے مینار گرے
مندروں پر جو چمکتے تھے کلس
کانپتی گلیوں کے اُس پار گرے
لاکھوں افراد نے گھر اوڑھ لئے
اور دہلیزوں نے در اوڑھ لئے
کانچ کے لوگ تھے ریزہ ریزہ
چھت گری اور بدن ٹوٹ گئے
یوں چھناکے سے ہوئے کرچیاں لوگ
جیسے دیوار سے تصویر گرے (11)

زلزلے سے بلند عمارتیں منہدم ہوتی ہیں، جس کے باعث کئی لوگ اس ملبے تلے دب جاتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف شدید زخمی ہوتے ہیں، بلکہ بعض افراد موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔زلزلے کی شدت میں جتنا اضافہ ہوتا ہے، اسی قدر زیادہ نقصان ہوتا ہے، حتیٰ کہ پہاڑ بھی ہل جاتے ہیں۔ 8 اکتوبر 2005ء کو پورے ملک میں شادیانوں کی جگہ موت کے نقارے بجتے سنائی دے رہے تھے۔اکتوبر 2005ء نے متعدد نوحے تخلیق کیے۔ ہزاروں لوگ موت کے منہ میں گئے اور متعدد لوگ معذور ہوئے۔انھی دنوں کتنے ہی نئے جوڑے اس زلزلے کی نذر ہوئے۔شاکر حسین شاکر اپنے کالموں، جو کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں میں آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک ایسے گھرانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں، جس میں چار افراد ماں، باپ، بیٹا اور بیٹی تھے۔بیٹی کی شادی کزن سے طے ہوتی ہے مگر شادی کے ایام کے قریب زلزلے سے دونوں گھرانوں کے افراد سوائے ان دونوں کے ہلاک ہو جاتے ہیں اور مجبوراً اسی دن (8 اکتوبر) کو گھر والوں کی موت سے

رنجور لڑکی شادی کرتی ہے تاکہ کوئی شخص اس لڑکی کا تحفظ کرنے والا ہو، جس کا گھر اور افرادِ خانہ زلزلے کی نذر ہوئے۔شادی کیا تھی، نہ ڈھول نہ گیت۔زلزلے کی نذر ہوئی مسجد سے مولوی کو بلوا کر نکاح پڑھوایا گیا۔

بالاکوٹ کے کئی تعلیمی اداروں میں تعلیمی اوقات کے دوران زلزلہ آنے سے کئی تعداد میں اساتذہ اور طلبہ پر مدرسوں اور اسلوک، کالجز کی چھتیں گر پڑیں، جس سے متعدد اموات واقع ہوئیں۔اسی طرح متعدد لوگ ملبے میں دب کر مر گئے۔اس زلزلے کے تناظر میں صحافیوں نے کالم لکھے، نثر نگاروں نے مضامین و افسانے لکھے، شاعروں نے نظمیں کہیں اور اردو کے بعض رسائل و جرائد نے زلزلے نمبر بھی شائع کیے۔ اسی پس منظر میں اظہر زیدی کی نظم ''زلزلوں کے روپ میں'' لکھی گئی ہے، جس میں وہ زلزلے کے نتیجے میں رونما ہونے والی تباہی کو بیان کرتے ہیں۔

میں نے دیکھی وہ قیامت ، زلزلوں کے روپ میں
جیسے آفت آ پڑی ہو بارشوں کے روپ میں
ریزہ ریزہ ہو گئیں پل میں چٹانیں دیکھ لو
اُڑ رہے تھے اونچے پربت بادلوں کے روپ میں
دب گئیں ملبے کے نیچے جانے کتنی صورتیں
ڈھونڈتی ہیں جن کو مائیں پاگلوں کے روپ میں
کب خدا جانے ملیں گی اُن کو اپنی منزلیں
جن کے پاؤں ڈھل گئے ہیں آبلوں کے روپ میں
ہاں یہی آئین انسانی ہے اظہر دیکھ لو
آن پہنچی قوم ساری دوستوں کے روپ میں(12)

ماحولیاتی تبدیلی بذریعۂ انسانی کلچر:

موجودہ ماحولیاتی منظر نامہ جدید کلچر کی دین ہے۔ ماحول میں تبدیلی غیر قدرتی انداز یعنی انسان ساختہ نظام سے بھی در آتی ہے۔نیا کلچر ماحول میں منفی تبدیلی لا رہا ہے۔اس کی مثال حسن جاوید بلوچستان کی قحط سالی کے پس منظر میں لکھی گئی نظم 'بے شک انسان خسارے میں ہے' ہے، جس وہ میں قدرتی ماحولیاتی تبدیلی کے ساتھ ساتھ غیر قدرتی (بذریعہ انسان) تبدیلیٔ

ماحول کا بین بین جائزہ لیتے ہیں۔

زمین خوش جبیں کو بانجھ کر کے
فضا کو زہر سے آلودہ کر کے
میں بارش کی تمنا کر رہا ہوں
زمیں سے سبز موسم مانگتا ہوں
مری آنکھوں کے چشمے خشک ہو کر
کسی صحرا کا منظر بن گئے ہیں
مرے ہونٹوں پہ میری پیاس نے
جیسے دراڑیں ڈال دی ہیں
پرندے، جانور میری طرح
گندم کے اک دانے کو
پانی کے بس اک قطرے کو
اپنی سب دعاؤں کا صلہ گردانتے ہیں (13)

زمین پر قحط کے باعث زمین کی گرمی کی حدت میں اضافہ ہوتا، سبزہ سوکھتا اور زمینی خوراک میں کمی واقع ہوتی ہے۔ان کے نزدیک بلوچستان کی قحط سالی کے منظر نے آنکھوں کو صحرا کر دیا ہے۔ایسی صورتِ حال میں انسان اور پرندے تشنہ لب ہیں اور پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہے ہیں۔ ہاتھ کشکول کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور لبوں پر آب آب کا ورد جاری ہے۔ مذکورہ نظم کا ابتدائیہ اس بات پر شاہد ہے کہ زمین کو بانجھ کرنے میں انسان نے منفی کردار ادا کیا ہے۔ گویا ماحولیاتی مسائل قدرت کے علاوہ انسان سے بھی تعلق رکھتے ہیں، بلکہ نئی ماحولیاتی تنقید کا رُخ انسان سازی کی طرف ہی ہے، اسی لیے یہ نظریہ بشر مرکزیت پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

Anthropocentrism is considered to be profoundly embedded in many modern human cultures and conscious acts. It is a major concept in the field of environmental ethics and environmental philosophy, where it is often considered to be the root cause of problems created by human action within the

ecosphere. However, many proponents of anthropocentrism state that this is not necessarily the case: they argue that a sound long-term view acknowledges that the global environment must be made continually suitable for humans and that the real issue is shallow anthropocentrism.(14)

بشر نے اپنی مرکزیت کو خود روندا اور ایسے امور انجام دیے، جن سے اس کی اہمیت کم ہوئی۔انسان کا مقام ایک نائب کا تھا۔یہ فرشتوں سے اعلیٰ رتبے کا حامل تھا مگر فطرت کے مقابل اپنا نظام لا کر شیطانی فعل کا سزاوار ٹھہرا۔کہیں مشینوں تلے گھاس روند کر، کہیں درختوں کو کاٹ کر، کہیں پھولوں کو مسل کر، کہیں فصلوں کو ادویات سے آلودہ کر کے، کہیں کارخانوں کے زہریلے پانی سے دریاؤں، ندی نالوں کو گندہ کر کے، کہیں پلاسٹک اور چھلکے پھینک کر اور کہیں احتجاج کے نام پر ٹائروں کو آگ لگا کر زمینی اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔بقول احمد فراز:

چھاؤں میں بیٹھنے والے ہی تو سب سے پہلے
پیڑ گرتا ہے تو آ جاتے ہیں آرے لے کر(15)

بیسویں صدی کی تعمیرات مرصع اور تصنع سے لبریز ہیں، جو فطرت سے متصادم مناظر پیش کرتی ہیں۔آبادی کی زیادتی اور امرا کی خواہشات کے سبب ایسا منظر نامہ آنکھوں کو میسر آیا، جس کا فطرت سے دور دور تک تعلق نہیں ہے۔صنعتوں کی زیادتی اور ان کی ذریعے بڑھتی نئی نئی مصنوعات نے دنیا کا نظام اور کلچر بدل کر رکھ دیا ہے۔پہاڑوں اور درختوں کو کاٹ کے بستیاں آباد کی جا رہی ہیں۔ باغات اور جھیلوں کی جگہ بازاروں اور کارخانوں نے لے لی۔کچی آبادیوں کو پکی آبادی میں بدلا جا نے لگا۔قدرتی نظام کی جگہ انسان ساز نظام استوار ہوا۔آج قدرتی مناظر میں بھی مصنوعی مناظر شامل ہیں۔اس نئی آبادکاری کے نظام اور اس کے عناصر کو شعرائے اردو نے کچھ یوں نقل کیا ہے:

دریچہ باغ میں کھلتا تھا پہلے
اب اک بازار گھر کے سامنے ہے(16)

جہاں اب کارخانہ ہے، وہاں تالاب تھا پہلے
جہاں بازار ہے، اک خطۂ شاداب تھا پہلے(17)

اب کہ گاؤں گیا تھا تو نہریں، شجر اور رستے نہیں مل سکے
یار لوگوں نے سڑکیں بنانے کی خواہش میں پگڈنڈیاں کاٹ دیں (18)

یہ نظام نئی ٹیکنالوجی کے باعث تبدیل ہوا۔ جدید کلچر سے قدرتی اور خوشگوار ماحول کی وسعت نہ صرف کم ہوئی بلکہ حد سے زیادہ خرابی پیدا ہوئی ،جس کا مادہ پرستوں کو اندازہ نہیں تھا۔ اگرچہ یہ رویہ ماحول کی اخلاقیات کو نظر انداز کر کے پس پشت ڈالنے کا ہے لیکن ماجد صدیقی اسے فرعون صفتی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے انسان کی اخلاقی گراوٹ کی سمت کا سفر قرار دیتے ہیں۔گویا انسان نے ماحول بدل کر خود کو اس کا خالق تصور کرتے ہوئے غرور وتکبر سے کام لیا ہے۔

ابن آدم اب کہ پھر فرعون ٹھہرا ہے، جسے
مل گیا زعمِ خدائی آہنی آلات سے (19)

ٹیکنالوجی پر انحصار کرتے ہوئے انسان بھٹکتا جا رہا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب یہی ٹیکنالوجی انسان کو لاغر و بے جان کر دے گی۔ سائنس دانوں کے بقول چند سال بعد روبوٹ تمام کام سنبھال لیں گے، حتیٰ کہ گاڑیاں بغیر ڈرائیور کے چلیں گی۔ اس کی واضح مثال اوبر(Uber) ہے، جسے انسان کم اور گوگل میپ (google map) زیادہ چلاتا ہے۔ قدرتی آفات نے ماحول کو اس قدر متاثر نہیں کیا، جس قدر انسان نے کیا۔ انسان ساز نظام کے اثرات سے ہمارا ماحول بُری طرح متاثر ہوااور ایسے نتائج سامنے آئے کہ انسان خود حیران رہ گیا ہے۔

مجید امجدان ابتدائی نظم نگاروں میں شامل ہیں جنھوں نے اردو نظم میں ماحولیاتی تنقید کی ابتدائی لہر (فطرت نگاری) سے آگے بڑھتے ہوئے جدید لہر (فطرت کش) کی طرف پیش قدمی کی، جس کی مثال ان کی نظم' توسیعِ شہر' ہے۔ مجید امجد زمینی اخلاقیات کے داعی ہیں۔

اپنی زمین سے محبت ہر شخص کی فطرت میں شامل ہے۔ شعرا نے مختلف انداز سے اس مضمون کو شعری صورت میں ڈھالا۔ زمینی حسن، زمین کے ساتھ لگاؤ اور زمین کے لیے مر مٹنے کے دعووں پر ایک ذخیرۂ اشعار موجود ہے، مگر نظم میں نئی ماحولیاتی صورتِ حال اور زمینی اخلاقیات پر اندازِ دگر سے پہلی بار مجید امجد نے بات کی اور اہم مسائل کی طرف توجہ مبذول کروائی۔' توسیعِ شہر' ماحولیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ صنعتی انقلاب اور اپنے پاؤں کلہاڑی مارنا کے مصداق بشر مرکزیت کو چیلنج کرتا بیانیہ ہے۔

بیس برس سے کھڑے تھے جو اس گاتی نہر کے دوار
جھومتے کھیتوں کی سرحد پر بانکے پہرے دار
گھنے سہانے چھاؤں چھڑکتے بور لدے چھتنار
بیس ہزار میں بک گئے سارے ہرے بھرے اشجار
جن کی سانس کا ہر جھونکا تھا ایک عجیب طلسم
قاتل تیشے چیر گئے ان ساونتوں کے جسم
گری دھڑام سے گھائل پیڑوں کی نیلی دیوار
کٹتے ہیکل جھڑتے پنجر چھٹتے برگ و بار
سہمی دھوپ کے زرد کفن میں لاشوں کے انبار
آج کھڑا میں سوچتا ہوں اس گاتی نہر کے دوار
اس مقتل میں صرف اک میری سوچ لہکتی ڈال
مجھ پر بھی اب کاری ضرب اک،اے آدم کی آل(20)

مجید امجد کے نزدیک درخت جو کہ پہرہ دار کا کردار ادا کرتے ہیں اور دھوپ کی شدت سے تحفظ فراہم کرتے ہیں،ان کے بیچا جانا اور کاٹا جانا افسوس ناک ہے۔

Deforestation is a contributor to global warming, and is often cited as one of the major causes of the enhanced greenhouse effect. Tropical deforestation is responsible for approximately 20%of world greenhouse gas emissions. According to the Intergovernmental Panel on Climate Change deforestation, mainly in tropical areas, could account for up to one-third of total anthropogenic carbon dioxide emissions. But recent calculations suggest that carbon dioxide emissions from deforestation and forest degradation (excluding peatland emissions(contribute about 12%of total anthropogenic carbon dioxide emissions with a range from 6%to 17.%Deforestation causes carbon dioxide to linger in the atmosphere.(21)

جنگلات کی کٹائی سے بڑے پیمانے پر منفی ماحولیاتی تبدیلی واقع ہو رہی ہے۔آبادی

کے بڑھنے سے نئی کالونیوں کی ضرورت پیش آئی، جس نے فطری مقامات کے خاتمے کی راہ سے آبادیاں بسائیں۔ درختوں کو کاٹتی بھاری بھرکم مشینیں ایجاد کی گئیں۔ bypass machine سے نرم ٹہنیاں جبکہ loopers اور electric shears ایسے آلات ہیں، جن کے ذریعے با آسانی اور تیزی سے سخت ٹہنیوں کو کاٹا جا رہا ہے۔ آری نما آلہ chainsaw درختوں کو تنے سمیت کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

سڑک شاید کشادہ ہو رہی ہے
شجر بے موت مارے جا رہے ہیں(22)

جس کی چھاؤں میں چوپال کے رنگ جمتے تھے، اب وہ شجر بک گیا
جن پہ ڈالی تھیں بچوں، پرندوں نے پینگیں، وہی ٹہنیاں کاٹ دیں(23)

مابعد نو آبادیاتی عہد سے پیڑ پودوں کے کاٹے جانے کے عمل میں تیزی آ ئی۔ اس عمل سے زمین کی تپش میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ زمینوں کو آباد کرنے کے لیے زمینوں کا سودا ہونے لگا اور فطرت متصادم رویہ اختیار کیا جانے لگا۔ حالت یہ ہوئی کہ زمینی حسن کی گنجائش پوری کرنے کے لیے مصنوعی حسن کا سہارہ لیا جانے لگا۔ چھانگا مانگا دنیا کا سب سے بڑا مصنوعی جنگل ہے، جس میں فونا فلورا کی ایک بڑی تعداد ہے۔ البتہ اب یہ بھی کٹاؤ کی زد میں ہے۔

علی اکبر عباس کی ایک غیر مردف مسلسل غزل ملاحظہ کیجیے، جس کے اشعار اسی تناظر کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ زرعی اصلاحات کی طرف توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ درج ذیل غزل میں وہ فصلوں کے تحفظ کی سمت اشارہ کرتے ہوئے چند تجاویز رقم کرتے ہیں۔

قوی درخت ہوں تو آندھیوں کا دم توڑیں
گھنی ہو باڑ تو محفوظ ہی رہیں فصلیں
زمیں کے دکھتے بدن کا بھی کچھ خیال کریں
لگائیں جونکیں جو گندی رطوبتیں چوسیں
فقط بچاؤ ہی کافی نہیں ہے کیڑوں سے
جواں پھلوں کے لیے کھاد مانگتی ہیں جڑیں

نمو کی قوتیں اک سمت مرتکز ہو جائیں
تناوری کے لیے کاٹ دیں غلط شاخیں
جتن تمام کریں اس کے باوجود اگر
جو پھل نہ پا سکیں بوٹے تو بیج ہی بدلیں (24)

نیا عہد مصنوعی عہد سے عبارت ہے، جس میں فطرت کی جگہ فطرت نما اشیا نے لے لی ہے۔ مصنوعی کھادیں، مصنوعی ادویات، مصنوعی جسم (روبوٹ) کے بعد ہانگ کانگ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے سائنسدانوں نے الیکٹروکیمیکل آئی (electro-chemical eye) تیار کرلی ہے۔ یہ مصنوعی تھری ڈی آنکھ بالکل اصل آنکھ کی طرح نظر آتی ہے۔ یہ ترقی جو درحقیقت تخریب ہے مصنوعی ذہانت کی سمت جا رہی ہے۔ اسٹیفن ہاکنگ نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ "مکمل مصنوعی ذہانت کی ترقی انسانی نسل کا خاتمہ کر دے گی" (25)۔ انسان مشین کے مقابلے میں سست رفتار ہے۔ AI پروجیکٹ کی کامیابی کے بعد اس کا کہیں کردار نظر نہیں آئے گا۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے منٹوں میں دنیا کی سیر ہو رہی ہے۔ انسان کا دل اتنا تیز نہیں دھڑکتا جتنا تیز جدید پروسیسر حساب کرتا ہے۔ مزید یہ کہ مشین کی عمر انسان سے زیادہ ہے۔ بشیر بدر کا مصرع ایسی صورتِ حال پر صادق آتا ہے۔

آہن میں ڈھلتی جائے گی اکیسویں صدی

اقبال کے نزدیک مشینوں نے جذبات کو ٹھنڈا کر دیا اور انسانی اخلاقیات کو روند ڈالا ہے۔ گاڑیوں اور ٹرکوں کی تیز رفتاری کے باعث زمینی حادثوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ آج جب کوئی گھر سے باہر نکلتا ہے تو ٹریفک ایکسیڈنٹ کا خوف اس کے ذہن میں ہوتا ہے۔ بڑے شہروں میں جہاں رش زیادہ ہوتا ہے، ایسے حادثوں کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ آئے روز کئی ایکسیڈنٹ رپورٹ ہوتے ہیں اور نجانے کتنے کیس ایسے ہیں، جو رجسٹر نہیں ہوتے۔ ٹریفک سے جانور اور پرندے بھی ہلاک ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں روڈ پر کئی کئی دن ایسے پرندے اور جانور جو تیز رفتار گاڑیوں کی زد میں آ کر ہلاک ہوتے ہیں، پڑے رہتے ہیں۔ اس قسم کے کیسوں میں اکثر انسان کی غلطی ہوتی ہے مثلاً تیز رفتاری، غلط موڑ، ٹریفک اشاروں پر نہ رکنا اور لائن کراسنگ وغیرہ۔ رئیس فروغ

ایسے منظر کو یوں بیان کرتے ہیں۔

ٹکرا کے بچ گیا ہوں بسوں سے کئی دفعہ
اب کے جو حادثہ ہو تو سمجھو نہیں ہوں میں(26)

گھروں میں اصل پھول پودوں کے بجائے مصنوعی گل، گُلدان اور پیڑ پودوں کا رواج پڑ گیا ہے۔ شکیب جلالی ایک شعر میں اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آج بھی شاید کوئی پھولوں کا تحفہ بھیج دے
تتلیاں منڈلا رہی ہیں کانچ کے گلدان پر (27)

شاہد ذکی کے نزدیک گھروں میں مصنوعی اشجار کے رواج سے باغات کی رونق کم ہو گئی ہے۔ اس مصنوعی زندگی سے دل لبھانے کی عادت ڈالتے ڈالتے لوگ فطرت سے دور ہو گئے اور اب انھیں اصل پیڑ پودوں کی قدر و اہمیت کا احساس تک نہیں:

گھروں میں جب سے مصنوعی شکر سجنے لگے ہیں
چمن میں قیمتِ سرو و سمن کم ہو گئی ہے(28)

اسی کی ایک اور مثال رانا سعید دوشی کی ایک آزاد نظم 'شیشے کا برگدُ' ہے، جس میں مصنوعی پیڑ پودوں سے ایک طرف پرندوں کی چہل پہل کا خاتمہ دکھایا گیا تو دوسری طرف انسانوں اور پرندوں پر اس کے منفی اثرات کا اظہار ہے۔ انھیں شیشے کے مصنوعی درخت کے کرچی کرچی ہونے کا ڈر ہے کہ کہیں میرے بچوں کے پاؤں اس سے زخمی نہ ہو جائیں۔ ملاحظہ ہو:

مرے آنگن کے برگد میں
کسی نے کانچ کا پیوند ڈالا ہے
جبھی تو
شجر کر مرتبانوں میں
مقید آکسیجن کا بھی
دم گھٹنے لگا ہے،
ہر اک پتہ بنا ہے آتشی شیشہ
تو سائے کیا اُگیں گے؟

پرندوں کے گھروں کے بھید بھی
ممکن نہیں پنہاں رہیں
برگد کے سینے میں
اب ان کے شہپروں سے
خون رستا
دکھائی دے رہا ہے

میں باہر پھینک آیا ہوں
اک مردہ گلہری کو
لو!
اب اک اور زخمی ہے
جسے چاروں طرف سے
چیونٹیوں نے گھیر رکھا ہے
یہی جی چاہتا ہے
مار کر پتھر کبھی شیشے کے برگد کو
میں چکنا چور کر ڈالوں
مگر ڈرتا ہوں آنگن میں
مرے بچے بھی ننگے پاؤں پھرتے ہیں (29)

نظم میں آنگن دنیا کی اور بچے جانداروں کی علامتیں ہیں۔ گویا پورا عالم اس صنعت میں جکڑ چکا ہے۔ دل کے بہلانے کو مصنوعی چیزوں کا نظارہ اچھا سہی لیکن اس کے نقصانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صنعت کے کام اور نتائج پر ہی ماحولیاتی تنقید سوال اُٹھاتی ہے۔

زمین سے جنگلات کے خاتمے کے بعد ضرورتاً مصنوعی جنگلات کے اگانے میں انسان کا ہاتھ ہے، یہی وہ بشر مرکزی نکتہ ہے جس کے خلاف ماحولیاتی تنقید آواز اٹھاتی ہے۔ پودوں اور جانوروں کی نسلیں بھی اب کے انسان سے شکوہ کرتی ہیں۔

اب تو فلورا فونا بھی کہتے ہیں برملا
آلودگی جہان میں پھیلا رہا ہوں میں(30)

شعر میں لفظ "میں" سے مراد ایک فرد نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ ہر شخص ماحول کی آلودگی بڑھانے میں کردار ادا کر رہا ہے۔

درخت زمین کا حسن ہیں۔ انسانی ذہن پیڑ پودوں کے بغیر فطرت کے حسن کا تصور نہیں کر سکتا۔ جنگوں میں جدید اسلحوں کے استعمال نے پیڑ پودوں کو ختم کرنے اور زمین کو بنجر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ تقریباً چودہ سو سال قبل اسلام نے جنگ کے دوران ماحول کو نقصان پہنچانے سے منع کیا تھا، جب جنگ تیر تلواروں سے لڑی جاتی تھی جبکہ آج جنگ میں استعمال ہونے والے مصنوعی آلات انتہائی خطرناک اور مہلک ہیں۔ جنگ کا پہلا نشانہ ماحول ہوتا ہے۔ بارود زدہ ہونے کے بعد زمین کو پھر سے قابل کاشت بنا بھی دیا جائے تو آسانی سے زہر نہیں جاتا اور آلودہ فصل نکلتی ہے۔ ویتنام کے 14 فیصد جنگلات جنگوں میں تباہ ہوئے۔ عراق اور کویت کی جنگ کے دوران عراق نے کویت کے سات سو کے قریب تیل کے کنوؤں کو آگ لگائی، جو بیسیوں روز جلتی رہی اور زہریلی گیسیں خارج ہوتی رہیں۔ جنگوں میں عسکری و سیاسی نقصان کم اور ماحولیاتی حوالے سے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ ادریس بابر کا شعر اسی تناظر میں ہے:

جنگ چھڑی تو اب کی بار کوئی نہ بچ کے جا سکا
پیڑ جو تھے بچے کھچے ، گھاس جو تھی رہی سہی(31)

جنگلات کی موجودگی زمین کے بڑھتے درجہ حرارت کو روکنے میں مدد دیتی ہے۔ جنگلات کے کاروبار اور کٹاؤ سے گرمی کی شدت بڑھ رہی ہے۔ کارخانوں اور گاڑیوں سے نکلتی گیسوں نے بالخصوص زمین کو متاثر کیا۔ شاعروں نے اس عمل پر مختلف طرز سے شعر کہے۔

زمیں پر پاؤں جلتے ہیں ہمارے
سروں پر دھوپ کے سائے کھڑے ہیں(32)

زمین کی توڑ پھوڑ اور کمزوری میں دھماکوں نے بھی منفی کردار ادا کیا۔ بارود کے اثر نے مٹی کی خاصیت ختم کی اور زمین کو بنجر کیا اور جہنم نما بنا دیا۔ شفیع حیدر صدیقی دانش کی نظم "ارضِ مکدر کے نام" زمین کی خستگی، درجہ حرارت میں اضافے اور توازن میں بگاڑ کا بیانیہ ہے۔

کہاں اب وہ پہلی سی ارضِ حسیں
جہنم بنی جا رہی ہے زمیں
ہے آلودگی جس طرف دیکھیے
خسارے میں ہیں اس زمیں کے مکیں(33)

زرعی ماحول:

سال 2020ء میں صوبہ پنجاب کے شہر لودھراں کے ایک نواحی گاؤں میں صبح کے وقت ٹڈی دل نے کپاس کی فصل پر حملہ کیا اور 20 سے 25 منٹ میں 160 ایکڑ زمین پر مشتمل فصل پر کوئی پودا باقی نہ چھوڑا۔ اس سانحے کا چشم دید گواہ کاشتکار اسلام خان کا کہنا تھا کہ "جب ٹڈیاں ہمارے سامنے ہماری فصلوں کو اجاڑ رہی تھی تو ہماری حالت ایسی تھی کہ اب روئے کہ کب روئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی ہمارے جسم کا حصہ کاٹ رہا ہے" (34)۔ ملتان میں 2000 ایکڑ رقبہ اس سے متاثر ہوا۔ جریدے سائنسی نیچر کے مطابق سال 2019ء میں کینیا میں ٹڈی دل کا ایک ایسا لشکر دیکھا گیا، جس کا حجم شہر نیویارک سے تین گنا بڑا تھا۔

ٹڈی دل افریقہ میں کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں، حتیٰ کہ ان کے باعث افریقہ میں کئی پروازیں التوا کا شکار ہوئیں۔ اقوامِ متحدہ کے ادارے ایف اے او کے مطابق ٹڈی 160 کلو میٹر فی گھنٹہ کے حساب سے فاصلہ طے کر سکتی ہے۔ ایک لشکر میں کروڑوں ٹڈی دل ہوتی ہیں، جو ایک دن میں 35000 انسانوں کی خوراک کھا جاتی ہیں۔

اس سے پہلے تو کوئی بھی ٹڈی دل ایسا نہ تھا
اب کہ جو پراں فضا میں ہیں وہ اخگر دیکھنا(35)

عالمی زرعی نظام تبدیل ہو چکا ہے۔ اب جدید سائنسی تکنیکوں سے کھاد بوئی جاتی ہے۔ مصنوعی طریقوں سے تیار کردہ غذا لذت اور خوشبو سے محروم ہو چکی ہے۔ زہریلے سپرے کے مضر اثرات سے پرندوں کی چہل پہل متاثر ہوئی اور خوراک میں زہر شامل ہو گیا، جس نے انسانوں کی صحت کو بھی خراب کیا۔

تیسری دنیا میں فصلوں سے گزرتے ہوئے پلاسٹک پھینک دیا جاتا ہے یا دوسری صورت میں طوفان اور تیز ہوا سے فصلوں میں آلودگی داخل ہو جاتی ہے، جس کی صفائی پر خاطر خواہ توجہ

دینے کی ضرورت ہے۔

کھیت میں مومی لفافے پھینک کر
تہ بہ تہ آلودگی پھینکی گئی (36)

زمینی غلاظت:

ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں ہر گھر سے روکی بنیاد پر دو کلو کچرا باہر پھنکا جاتا ہے، جس میں ہر طرح کا کچرا شامل ہوتا ہے، جو ایک ہی جگہ پھینکا جاتا ہے۔ الگ الگ کچرے کے لیے علاحدہ علاحدہ انتظام نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں دوبارہ استعمال میں لائی جا سکتی ہیں، مگر ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ شہر کی سڑکوں پر نصب کوڑے دان ایک طرف مچھروں اور مکھیوں کی آماج گاہ ہوتے ہیں تو دوسری طرف کتے بلیاں اس میں پھرتے اور منہ مارتے ہیں، جس سے وہ جراثیم زدہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح معاشرے میں جراثیم پھیلتے اور بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

یہاں کے لوگوں کے ذہن ماحولیاتی شعور سے عاری ہیں۔ شاہراہوں پر جانور اور حشرات مرے ہوئے نظر آتے ہیں، جس کی وجہ ہمارے سماج کے افراد کا ماحولیاتی شعور نہ ہونا ہے۔ گاڑیوں کی زد میں آتے ایسے جاندار آلودگی کا باعث ہیں۔ کئی بار تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مرے ہوئے جانوروں کو ٹھکانے نہیں لگایا جاتا اور مسلسل تعفن پھیلتا رہتا ہے، کیڑے جنم لیتے ہیں اور یوں وہ چیل کووں کی خوراک بنتے ہیں۔

پلاسٹک، مومی شاپر، ڈبے ایسی مصنوعات کو عموماً کچرا نہیں سمجھا جاتا جبکہ بارشوں میں نالوں کی بندش میں انھی کا سب سے منفی کردار ہوتا ہے۔

رہیں گے آشیانے اور نہ تنکے
رہیں گے صرف تھیلے پولی تھن کے (37)

مذکورہ مسئلہ ایک سنجیدہ ماحولیاتی مسئلہ ہے۔ ہم عموماً رستے سے گزرتے پلاسٹک، شاپر اور ڈبے پھینک جاتے ہیں، جس سے آلودگی پھیلتی ہے۔ اگست 2020ء میں سرگودھا کے بازار (بلاک ا) میں مومی شاپروں کے گودام کو لگنے والی آگ 5 دن تک نہ بجھ سکی، مزید یہ کہ اس کے دھوئیں سے فضا آلودہ ہوائی۔ اس بازار کے قریبی بازار بھی بند رہے، جس کے باعث کاروبار کو نے والوں کو معاشی خسارہ ہوا۔

زمین کو آلودہ اور بدبودار کرنے میں گٹروں سے خارج ہوتی غلاظت کو کسی طور نظر انداز نہیں

کیا جاسکتا۔ پکی سڑکوں پر پانی کھڑا رہتا ہے اور گزرتی گاڑیاں اسے مزید پھیلا دیتی ہیں۔مزید یہ کہ ناپاک پانی پر سے گزرتی گاڑیوں ساتھ سے گزرتے آدمیوں کو بھی آلودہ کر دیتے ہیں۔ایسے متعفن ماحول میں جانداروں کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ہمارے ہاں آلودگی کو ٹھکانے لگانے کا کوئی نظام موجود نہیں۔انور مسعود کے نزدیک بعض جگہوں پر آلودگی کے ڈھیر پربت کا منظر پیش کرتے ہیں۔سیف الدین سیف کے گیت کے مصرعے"جب ترے شہر سے گزرتا ہوں" کو انور مسعود نے اپنی نظم میں ماحولیاتی رنگ اپناتے ہوئے بڑے خوبصورت طریقے سے استعمال کیا ہے۔دو بند ملاحظہ ہوں:

جو غلاظت اگلتے رہتے ہیں
کتنے منہ پھٹ ہیں یہ گٹر توبہ
پھر نہ نکلا جو گھر گیا اس میں
یہ ٹریفک ہے وہ بھنور توبہ
الاماں الاماں گھٹن اتنی
اور تعفن ہے کس قدر توبہ
میں تو مشکل سے آہ بھرتا ہوں
جب ترے شہر سے گزرتا ہوں

کس بلندی پہ گندگی پہنچی
ڈھیر کوڑے کے پربتوں جیسے
زلزلے پردۂ سماعت پر
پاپ میوزک کی بے سُری لے سے
ایسے ماحول میں بھی جینے پر
لوگ مجبور ہو گئے کیسے
کب تک آلودگی میں بیتے گی
کیسے گزرے گی زندگی ایسے
ڈرتے ڈرتے سوال کرتا ہوں

جب ترے شہر سے گزرتا ہوں(38)

زمین کی آلودگی میں کوڑے کچرے کی آلودگی ایک بڑا مسئلہ ہے۔دنیا میں پولی تھین کا بیشتر استعمال ہوتا ہے۔تیسری دنیا میں اشیا کو استعمال کر کے اسے اور اس شے کے پیکٹ، ڈبوں اور شاپروں کو رستے میں پھینک دیا جاتا ہے۔کئی سڑکوں پر شاپروں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ہمارے ہاں ان کو ٹھکانے لگانے کا انتظام نہیں کیا جاتا۔زمینی آلودگی میں صنعتی فضلات بھی شامل ہیں، جو تعفن پھیلاتے اور کھیتوں میں جانے سے فصلوں کو زہر آلودہ کرتے ہیں۔فیکٹریوں سے نکلتے زہریلے پانی کا راستہ فصلوں اور دریاؤں کی طرف جاتا ہے، جس کے باعث خوراک زہریلی ہوتی، زمین میں بنجر پن درآتا اور متعدد بیماریاں جنم لیتی ہیں۔انور مسعود کے مندرجہ ذیل قطعات انھی مسائل کو سامنے لاتے ہیں:

ہم کو درپیش ہیں اب اتنے مسائل انور
ان کو گننے بھی جو بیٹھیں تو زمانے لگ جائیں
کوئی تدبیر اِسی ایک پریشانی کی
یہ جو بکھرے ہوئے شاپر ہیں ٹھکانے لگ جائیں

صنعت کا زمانہ ہے زراعت کا نہیں ہے
سبزے کا نشاں تک بھی زمینوں سے مٹا دو
جس کھیت سے دہقان کو روزی ہے میسّر
اُس کھیت میں فضلاتِ مشینی کو بہا دو(39)

ان مسائل کو سرکاری سطح کے ساتھ ساتھ عوامی سطح پر بھی حل کرنے کی ضرورت ہے۔جب تک افراد اپنے ماحول کی حفاظت اور اسے ستھرا نہیں رکھیں گے، تب تک ہم جسمانی، جلدی اور ذہنی، بیماریوں سے نجات نہیں پاسکیں گے۔

مذکورہ بالا صورتیں زمینی آلودگی سے متعلقہ ہیں، جن کا ذکر اردو شاعروں نے واضح انداز میں کیا ہے۔ادیبوں اور شاعروں کو ایسے حالات پر تشویش ہے۔ادب حالاتِ حاضرہ کی طرح ماحولیاتی مسائل کو بھی صحافیانہ طرز سے الگ، ایسے انداز سے منظر نامے پر لاتا ہے، جس کا اسلوب قاری کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتا ہے اور دوسری طرف ماحولیاتی شعور اجاگر کرتا ہے۔

حوالہ جات

1. اقبال آفاقی، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2016)،ص:46
2. احمد فراز، تنہا تنہا (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2016)،ص:93
3. شہاب صفدر، لہریں لیتی پیاس (ڈیرہ اسماعیل خان: صابر کتاب گھر، 2000)،ص:52
4. کلیاتِ نظیر، نظیر اکبر آبادی (دہلی: کتاب دنیا، 2003)،ص:504
5. خوشی محمد ناظر، چودھری، نغمۂ فردوس (لائل پور: انجمن اربابِ ذوق، 1937)،ص:114
6. مصاحبہ، ادریس بابر، لاہور 26 اکتوبر 2020ء
7. مصاحبہ، یوسف خالد، پروفیسر، سرگودھا، 28 فروری 2020ء
8. مولوی محمد اسلم، آئیے شام ہونے والی ہے)لاہور: معروف پبلشرز، 2007)،ص:105
9. اشرف یوسفی، خواب تہِ آب (فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2018)،ص:41
10. شہزاد احمد، ادھ کھلا دریچہ (لاہور: علی برادرز، 1977)،ص:91
11. وحید احمد ''شہر آثارِ قدیمہ ہوئے'' مشمولہ سہ ماہی شعر و سخن، مانسہرہ، زلزلہ نمبر: مارچ 2006ص:15
12. اظہر زیدی ''زلزلوں کے روپ میں'' مشمولہ شعر و سخن، ایضاً ص:101
13. حسن جاوید، خیمۂ حرف (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2001)،ص:135
14. https://en.wikipedia.org/wiki/Anthropocentrism.
15. احمد فراز، غزل بہانہ کروں (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2006)،ص:43
16. انور شعور، کلیاتِ انور شعور (کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز 2015)،ص:128
17. ایضاً ص:381
18. سلیم کوثر، یہ چراغ ہے تو جلا رہے (کراچی: شائستہ پبلی کیشنز، 1991)، اشاعت چہارم ص:92
19. ماجد صدیقی، ماجد نشان (اسلام آباد: پورب اکادمی، 2008)،ص:88
20. مجید امجد، کلیاتِ مجید امجد، مرتبہ خواجہ محمد زکریا (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2010(، اشاعت سوم ص:352
21. https://en.wikipedia.org/wiki/Deforestation.
22. سعید دوشی، زمیں تخلیق کرنی ہے (راولپنڈی: ہم قلم پبلی کیشنز، 2007)،ص:4

23. سلیم کوثر، یہ چراغ ہے تو جلا رہے،ص:91

24. علی اکبر عباس، برآبِ نیل، (لاہور: مکتبہ فکر،1978)،ص:138

25. https:// www.bbc.com/urdu/science/2014/12/141229_man_machine_atk_

26. رئیس فروغ، رات بہت ہوا چلی (خود، سن ندارد)،ص:33

27. شکیب جلالی، روشنی اے روشنی (لاہور: ماورا پبلشرز،2002)،اشاعت سوم،ص:29

28. شاہد ذکی، سفال میں آگ (فیصل آباد: ہم خیال پبلشرز 2006)،ص:135

29. رانا سعید دوشی، زمیں تخلیق کرنی ہے، ایضاً،ص:93

30. شفیع حیدر صدیقی دانش، کلیاتِ دانش (کراچی: دانش کدہ،2008)،ص:190

31. ادریس بابر، یونہی (لاہور: کاروان بک ہاؤس،2012)،ص:16

32. سعید دوشی، زمیں تخلیق کرنی ہے، ایضاً،ص:43

33. شفیع حیدر صدیقی دانش، کلیاتِ دانش،ص:213

34. https:// www.bbc.com/urdu/pakistan-HYPERLINK
"https:// www.bbc.com/urdu/pakistan-52873183"52873183

35. ماجد صدیقی، ماجد نشان، ایضاً،ص:47

36. انور مسعود، میلی میلی دھوپ (اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز،2010)،ص:43

37. ایضاً،ص:94

38. ایضاً،ص:96

39. ایضاً،ص:114

اُردو شاعری فضائی ماحولیات کے تناظر میں

اوّل اوّل ماحولیات پر مغربی دنیا نے توجہ دی۔ ہمارے ہاں اس موضوع پر بہت بعد میں توجہ دی گئی۔ اکیسویں صدی سے قبل اردو شاعری میں ماحولیات کے چیدہ چیدہ اشعار تو مل جاتے ہیں، مگر ادب میں ماحولیات کو کبھی باقاعدہ موضوع نہیں بنایا گیا۔ اول تو یہاں (تیسری دنیا) میں افلاس و غربت، تعلیم سے دوری، حقوقِ نسواں، بے روزگاری ایسے مسائل ہی بہت ہیں، جن میں لوگ گھرے ہوئے ہیں، البتہ اس قسم کے مسائل ماحول کو بدلنے میں بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ نوکریوں اور کاروبار کے سلسلے میں گاؤں کے لوگ شہروں کی طرف منتقل ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ شہروں کی سمت بڑھتی آبادی سے ماحول کے مسائل میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ یوں ہم سماجیات سے ماحولیات کی طرف آئے۔

شاعری میں اس طرف دھیان نہ جانا فطری بات ہے، کیوں کہ ماحولیات روایتی اردو شاعری کے مزاج میں شامل نہیں ہے۔ عشق و عاشقی اور اس سے متعلقہ موضوعات ہی ہر دور میں شاعری کے بنیادی موضوعات رہے۔ امجد اسلام امجد اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ’’ماحولیات بظاہر ایک بہت خشک اور غیر دلچسپ موضوع ہے، جس پر اصلاحی، تعمیری اور معلوماتی قسم کا مضمون تو لکھا جا سکتا ہے، مگر اسے شاعری اور پھر عمدہ اور دلچسپ شاعری کی زبان میں بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس طرح کے کام کے منفرد، تکنیکی اور افادی حوالے تو اپنی جگہ، پہلی سطح پر یہ موضوع ہی ہماری شاعری کی مجموعی فضا کے لیے ایک اجنبی اور غیر شاعرانہ موضوع ہے کہ درختوں، پھولوں، پودوں، سرو لبِ جو اور بیدِ مجنوں کے حوالے سے رومانی اور عشقیہ شاعری تو کی جا سکتی ہے۔۔۔ مگر انھیں ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے بیان کرنا اور پھر اس بیان کو دلچسپ اور بامعنی بنانا کوئی آسان کام نہیں‘‘۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو وسائل عطا فرمائے لیکن انسانوں نے ان کا درست استعمال نہ کیا، مشین اور ٹیکنالوجی کی ایجاد و استعمال سے قدرتی ماحول میں توازن کو چیلنج کیا اور فطرت متصادم رویہ اختیار کیا، جس سے یہ وسائل انسان کے لیے مسائل بن گئے۔ انسان نے اس رویے کے باعث بشر مرکز تصور کو روند ڈالا۔ زمینی آلودگی سے بڑھ کر ایسی صنعت سازی کی کہ فضا آلودہ ہوگئی۔ فضا میں ایسے بہت سے ذرات موجود ہیں، جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں مگر سانس کے ذریعے ہمارے اندر جاتے ہیں، جس سے اندرونِ جسم متاثر ہوتا ہے۔

صاف اور تازہ ہوا زندگی کی علامت ہے۔ یہ دوا کا کام دیتی اور صحت بحال رکھتی ہے۔ دل، گلے اور آواز کے لیے تازہ ہوا کارآمد ہے۔ یہ نجاست کو دور کرتی اور ماحول کو صاف اور تر و تازہ رکھتی ہے۔ ماضی میں لوگ زندگی جیتے تھے مگر آج کا فضائی ماحول اس قدر آلودہ ہو چکا ہے کہ اس میں سانس لینا تک دشوار ہوگیا ہے۔ اس آلودگی کی بہت سی وجوہات ہیں۔ باب دوم میں مذکورہ زمینی آلودگی کے اسباب سے فضا بھی متاثر ہوئی۔ علاوہ ازیں جنگلات کی آتش زدگی، دھند، دھواں، کارخانوں اور گاڑیوں سے نکلتی گیسیں، بم دھماکے فضائی آلودگی کے نمایاں اسباب ہیں۔

صنعتی انقلاب کے ابتدائی سالوں میں مغربی ممالک میں نصب ملوں نے فضا کو زہر آلود کیا۔ بڑھتی فضائی آلودگی کے سبب فضائی مخلوق کے ساتھ ساتھ زمینی مخلوق کے اجسام و اذہان پر بھی منفی اثرات مرتب ہوئے۔ قدیم اردو نظم و غزل میں ماحول کی جمالیات (حسنِ فطرت) کا ذکر تو موجود ہے لیکن جدید شاعری میں مذکورہ مضمون کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی آلودگی کے پہلوؤں پر بھی توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

ہوا کا تھم جانا اور تیز ہوا یا آندھی کا چلنا ہر دو پہلو ماحولیاتی تبدیلی کا باعث ہیں۔ ہوا کا تھم جانا، ماحول میں حبس اور گھٹن لاتا ہے۔ یہ زمینی فضائی اور آبی حیات کے لیے ضرر رساں ہے۔ ایسے ماحول میں جاندار اور نباتات کھل کر سانس نہیں لے سکتے اور ان کی بالیدگی بھی مؤثر ہوتی ہے، مگر کبھی کبھار بارشیں بھی حبس کو راہ دیتی ہیں۔ اکثر ایسا موسم ساون کے مہینے میں رونما ہوتا ہے۔

گھٹا اٹھی ہے مگر ٹوٹ کر نہیں برسی

ہوا چلی ہے مگر پھر بھی حبس باقی ہے(2)

اس کے برعکس تیز ہوا اور آندھی سے درخت ٹوٹتے، گھونسلے اجڑتے، پرندے پریشان

ہوتے اور غربا کے کچے مکان منہدم ہو جاتے ہیں۔ آندھی کے زور سے درخت ٹوٹ کر گر جاتے ہیں، جس سے نہ صرف روڈ ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں بلکہ کئی اموات بھی واقع ہوتی ہیں۔ ایسے سانحوں کا اثر بیشتر پرندوں پر پڑتا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار ایسے ہی مناظر کے بیانیے ہیں۔

جھونکے کے ساتھ چھت گئی، دستک کے ساتھ در گیا
تازہ ہوا کے شوق میں میرا تو سارا گھر گیا(3)

نہ اتنی تیز چلے سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ اک ہی پتہ دکھائی دیتا ہے(4)

گردوغبار:

آج دنیا کو جس بڑے چیلنج کا سامنا ہے وہ فضا کا آلودہ ہونا ہے۔ زمین سے اٹھتا گرد و غبار چہروں کی رنگت کو ایسا بدل رہا ہے کہ شہر کو جانے والا گاؤں یا مضافات پلٹتا ہے تو چہرہ پہچان میں نہیں آتا۔ گاڑیوں کی تیز رفتاری آنکھوں کے آئینوں کو دھندلا رہی ہے۔ مزید یہ کہ ٹریفک کا شور اور ان کے ہارن سے سماعت متاثر ہو رہی ہے، جس سے نفسیاتی مسائل جنم لیتے ہیں۔

جو اک خاموش سے کمرے میں رونق میں نے دیکھی ہے
وہ رونق شہر کے شاید کسی گھر میں نہیں ہو گی(5)

ایسے فضائی ماحول پر انور مسعود کی نظم 'سر پر دھوئیں کی لہر ہے' کا شعر جو منیر نیازی کی غزل کی "اشکِ رواں کی نہر ہے اور ہم ہیں دوستو!" کی زمین میں ہے، صادق آتا ہے۔

اک دوسرے کو اب کوئی پہچانتا نہیں
گرد و غبارِ شہر ہے اور ہم ہیں دوستو! (6)

گردوغبار کے طوفان کی موجودہ صورت حال کے لیے انور مسعود ایک قطعے میں 'غبارستان' کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارا ماحول اس قدر گرد آلودہ ہے کہ بازار کو نکلیں تو واپسی تک کپڑے اور چہرے اپنا رنگ تبدیل کر لیتے ہیں۔ غبار میں اتنی آلودگی شامل ہوتی ہے کہ کپڑوں سے بو آنے لگتی ہے۔ دیکھیے انور مسعود نے کس انداز سے میر کے شعر کو نئے معنی پہنا دیے ہیں۔

اک غبارستان برپا کر گئی ہیں موٹریں
گرد کی موجیں اٹھیں اور ایک طوفاں ہو گئیں
راہ رو جتنے تھے سب آنکھوں سے اوجھل ہو گئے
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں(7)

دھواں:

فضائی آلودگی میں سب سے مضر عنصر دھواں ہے۔سگریٹوں، میزائلوں چمنیوں، گاڑیوں اور فیکٹریوں سے نکلتے دھوئیں نے فضائی ماحول کو سب سے زیادہ آلودہ اور متعفن کیا۔فضائی آلودگی کی وجہ گردو غبار میں شامل وہ گیسیں بھی ہیں جو گاڑیوں کے سلینسروں سے خارج ہوتی ہیں۔

سر پر دھوئیں کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو!
آلودگی کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو!(8)

دسمبر 1997ء، جاپان کے شہر کیوٹو میں ایک بین الاقوامی معاہدہ ہوا، جس کے تحت ترقی یافتہ ممالک نے یہ منظور کیا کہ 1990ء کے مقابلے میں گرین ہاؤس گیسوں میں 2.5 فیصد کمی کی جائے گی۔اس معاہدے کا مقصد کاربن ڈائی آکسائیڈ، میتھین، نائٹرس آکسائیڈ، سلفر، میک فلورائڈ، ہائیڈروفلوروکاربن اور فلوری نیٹیڈ کاربن میں کمی لانا تھا مگر امریکہ اور آسٹریلیا نے اس معاہدے کی تصدیق نہیں کی اور یوں تمام محنت رائیگاں گئی۔ اس معاہدے کو کیوٹو پروٹوکول(Kyoto Protocol) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

کارخانوں اور گاڑیوں سے خارج ہوتا دھواں کسی زہر سے کم نہیں۔فرق یہ ہے کہ زہر فوراً اثر کرتا ہے اور دھواں رفتہ رفتہ جانداروں کو تباہی کے دہانے پر لے جاتا ہے۔ پودوں کو مرجھاتا اور انسانوں کے جسمانی نظام کو خستہ کر دیتا ہے۔پھیپھڑوں، دل، جگر، معدہ کے ساتھ ساتھ بینائی کو کم کرتا ہے۔اس دھوئیں نے فطری مناظر کو آلودہ اور دھندلا کر دیا ہے۔حتیٰ کہ آسمان بھی دھندلا دکھائی دینے لگا ہے۔صبح بھی اپنی تازگی گنواتی چلی جارہی ہے۔

جنگلات کی آتش زدگی سے دھوئیں کا فضا میں پھیلنا ایک گمبھیر ماحولیاتی مسئلہ ہے۔مثلاً ایمیزون کے جنگلات میں آتش زدگی کا سانحہ، جس نے بے شمار جنگلی مخلوقات کو موت کی نیند سلایا اور جنگلی حیات نذرِ آتش ہوئی۔اردو شعرا نے مختلف انداز سے اس ماحولیاتی مسئلے کو شعری صورت میں

بیان کیا۔

دھوئیں سے آسماں کا رنگ میلا ہوتا جاتا ہے
ہرے جنگل بدلتے جا رہے ہیں کارخانوں میں(9)

جانے کیا عارضہ لاحق ہے ہوا کو گوہر
سانس لیتا ہوں تو ہر سانس میں آلودگی ہے(10)

گاڑیوں کا بھی دھواں پھیل رہا ہے گوہر
اور پیڑوں سے نکلتی نہیں بیمار ہوا(11)

ہواؤں کا بدن میلا ہوا ہے
دھواں زیرِ فلک پھیلا ہوا ہے(12)

انور مسعود نے ایک قطعہ"شام تک"میں غالب کے مصرعے پر تضمین لگا کر مصرعے کے روایتی معنی اور مضمون یاسیت کو ماحولیاتی مفہوم عطا کیا،ملاحظہ ہو:

شام تک شام ہی سی رہتی ہے
صبح آتی ہے پر نہیں آتی
بڑھ گیا شہر میں دھواں اتنا
"کوئی صورت نظر نہیں آتی"(13)

ہمارے ہاں پاکستان میں عموماً قریب کے بازاروں میں بھی سودا سلف کی خریداری کے لیے گاڑیوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔کبھی قریب کے اسکول کالج میں بچے پیدل جایا کرتے تھے،جس سے صحت بھی درست رہتی۔آج بچوں سے بڑوں تک چوک میں جانے کے لیے بھی موٹر گاڑیوں پر جایا جاتا ہے۔ایران میں ایک ہی راستے کے مسافر اپنی اپنی گاڑیوں کے بجائے کسی ایک گاڑی کا انتخاب کرتے ہیں،جس سے ماحول میں آلودگی کی مقدار کم رہتی ہے اور ریاستی سطح پر معاشی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔مغرب میں آج بھی سائیکل استعمال میں ہیں۔وہاں بچے بوڑھے

شوقیہ اور کام کاج کے لیے سائیکلوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کا ایک سبب دونوں طرف کے سماجی رویوں کا اختلاف بھی ہے۔ افراد کے رویوں کو ماحولیاتی حوالے سے ذمہ دار ہونا ضروری ہے۔ رویے کی تبدیلی میں مؤثر طبقے کا سب سے اہم کردار ہوتا ہے۔ 2009ء میں امریکہ کے نفسیات دانوں کی ایک تنظیم (American Psychological Association APA)) نے ایک رپورٹ جاری کی تھی، جس کے الفاظ تھے:

"لوگو! بطور خاص اعلیٰ ترین سطح کے ترقی یافتہ صنعتی ملکوں کے لوگوں نے اپنی زندگیوں کا چلن اکیسویں صدی کے موجودہ برسوں تک اس انداز کا بنائے رکھا ہے، جو ان کے اپنے ملکوں کے علاوہ اس سیارہ سرزمیں کو زندہ رہنے کے قابل بنے رہنے کو پرخطر طریقے سے نقصان پہنچانے کا ذریعہ رہا ہے"۔(14)

زندہ سیارے زمین کو مہلک ماحولیاتی خطرات لاحق ہیں۔ فضا زندہ رہنے کا بنیادی ذریعہ ہے مگر آج حیات اسی سے موت کی صورت اختیار کر رہی ہیں۔ ماحول کی اسی صورت کے پیشِ نظر انور مسعود دھوئیں کو پرخطر اور وحشت اثر قرار دیتے ہیں۔

پُر ہول اضطراب فضا، پُر خطر دھواں
پھیلا ہوا ہے چار سُو وحشت اثر دھواں
درپیش نخل جاں کو ہیں کتنی اذیتیں
اتنی کثافت، اتنا غبار، اس قدر دھواں
کس گھر کے رخ پہ اس نے سیاہی ملی نہیں
نکلا جو چمنیوں سے پھرا در بدر دھواں
گھٹنے لگا ہے اب تو ہر اک راہرو کا دم
کاروں سے اُٹھ رہا ہے بہت کارگر دھواں (15)

کارخانوں اور گاڑیوں کے علاوہ سیگریٹ نوشی کے ذریعے بھی فضا دھوئیں سے آلودہ ہوتی ہے۔ اس عمل سے انسانی صحت اور انسانی ذہن پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔ مثلاً دماغی کمزوری، پھیپھڑوں، گردوں، جگر اور منہ کا کینسر وغیرہ۔ پوری دنیا میں تمباکو نوشی کرنے والوں کی تعداد میں

اضافہ بڑھتا جا رہا ہے۔نشے کی عادت کو چھوڑنا آسان عمل نہیں۔رفتہ رفتہ یہ عمل انسان کی عمر کم کر دیتا ہے۔سگریٹ نوشی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جہاں سگریٹ نوشی کا عمل ہو رہا ہوتا ہے، اس کے آس پاس کھڑے اور گزرتے لوگ اس دھوئیں کا شکار ہوتے ہیں۔یہ دھواں ان کی آنکھوں کی قوتِ بینائی کو کم کرنے کے علاوہ ناک کے ذریعے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور اتنا ہی نقصان انھیں بھی پہنچاتا ہے جتنا کہ سگریٹ نوش کو۔گزشتہ صدیوں میں جس طرح قوموں کے شاہکار کارناموں کے چرچے ہوتے تھے، آج اس سے مختلف صورت ہے۔آئندگاں، ہمارے ان کاموں کو عبرت سے یاد کریں گے جن کے باعث ماحولیات کی سطح پر ہم نے اپنے ہاتھوں خود کو کمزور اور رفنا کیا۔

تبصرے ہوں گے مرے عہد پہ کیسے کیسے
ایک مخلوق تھی میراثِ رواں چھوڑ گئی
پھونکتی رہتی تھی پٹرول بھی تمباکو بھی
ہائے کیا نسل تھی دنیا میں دھواں چھوڑ گئی (16)

اس سارے عمل کے باعث جو نتائج دنیا کے سامنے آرہے ہیں، بہت خطرناک ہیں۔ فضائی آلودگی کے سبب ماحول میں آکسیجن کا فقدان ہو چکا ہے۔سانس لینے کے عمل میں ہم آلودہ عناصر کو اپنے اندر کھینچتے ہیں، جو ہمارے اندرون جسم پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔گویا ایسی فضا میں گزر بسر کرنا کسی عذاب سے کم نہیں رہا۔

ایسی آلودگی معاذاللہ
یہ فضا کیا ہے گر عذاب نہیں
دھوپ لگتی ہے میلی میلی سی
صاف رخسارِ ماہتاب نہیں
اتنی مسموم کب ہوا ہے کہیں
اتنا پانی کہیں خراب نہیں(17)

مذکورہ ماحولیاتی صورتِ حال میں فضا میں موجود زندگی کا بنیادی سبب آکسیجن کا کم ہونا اور زہریلی گیسوں کا بڑھنا ہے۔فضا میں جس قدر زہریلی گیسیں موجود ہوں گی اسی قدر جاندار آکسیجن سے محروم ہوں گے اور طرح طرح کے عارضوں میں مبتلا ہوں گے۔

اردو شعرا نے انگریزی نظموں کی تقلید میں ایسے مضامین بھی باندھے ہیں، جن میں رومان اور ماحول کی کیفیت ساتھ ساتھ چلتی ہے۔قدیم روایتی شاعری میں فطرت کے حسن کا تعلق محبوب کی موجودگی کے باعث دکھایا گیا ہے۔محبوب کا ہونا بہار کی موجودگی کے مترادف اور محبوب کا نہ ہونا یا دور رہونا مانندِ خزاں ہے۔نئے دور میں جب ہر جگہ ماحولیاتی بحران کی صورت ہے، رومان بھی اس سے متاثر ہوا ہے۔معین نظامی اپنی نظم' کبھی ایسا بھی ہوتا ہے' میں ماحولیات اور رومانیت کی امتزاجی حالت کو بیان کرتے ہیں۔عاشق محبوب سے ملنے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو اس پر ماحول کے کیسے کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں، ملاحظہ ہو:

وہ مہ پارہ
ہم ایسے خود سروں سے ملنے
اپنے کنجِ خلوت سے نکلتا ہے
تعفن اور دھوئیں
اور شور سے لبریز گلیوں میں
فقیروں کی طرح
بالوں کو بکھرائے بھٹکتا ہے(18)

ادریس بابر کے ہاں بھی یہی امتزاجی کیفیت ملتی ہے۔

خواب گنوا دیے گئے، پیڑ گرا دیے گئے
دونوں بھلا دیے گئے، ایک خبر کے ساتھ ساتھ (19)

دھماکوں کے اثرات:

ماحول میں گرد و غبار، دھواں، کارخانوں اور ٹریفک کی گیسوں کے علاوہ بم دھماکوں کے پھٹنے سے مہلک گیسوں کا پھیلاؤ سنگین مسئلہ ہے۔جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ کی طرف سے بمباری کے مہلک اثرات آج بھی موجود ہیں۔بعض رپورٹرز کے مطابق اگست 2020ء میں بیروت (لبنان) میں مہلک دھماکے کی ایک وجہ چھ سال سے پڑے ہزاروں ٹن امونیم نائٹریٹ کے ذخیرے کا بندرگاہ (دھماکے کا مقام) پر موجود گوداموں میں ہونا تھا۔اس

حادثے سے ۱۵۰انسان ہلاک اور ۵۰۰۰انسان شدید زخمی ہوئے۔امونیم نائٹریٹ کواگر فیول کے ساتھ ملایا جائے تو یہ ایک بڑے دھماکے کا سبب بن جاتا ہے۔گزشتہ دہائیوں کے دوران امونیم نائٹریٹ متعدد صنعتی دھماکوں کاموجب بن چکا ہے۔

چین کے شہر تیانجن میں بھی 2015 میں اسی مادے کے پھٹنے سے ہونے والی تباہی میں 170 سے زیادہ افراد ہلاک اور سیکڑوں زخمی ہو گئے تھے۔ 2013 میں امریکی ریاست ٹیکساس کے کھاد کے ایک پلانٹ میں جان بوجھ کر کیے جانے والا دھماکے میں 15 افراد ہلاک ہوئے تھے۔۔۔ 1995 میں اوکلاہوما شہر پر ہونے والے بم دھماکے میں بھی امونیم نائٹریٹ کااستعمال کیا گیا تھا۔امریکہ افغانستان میں بھی شدت پسند کارروائیوں کو روکنے کے لیے سال 2010ء سے جنگ سے تباہ حال اس ملک میں ہمسایہ مما لک سے ایمونیم نائٹریٹ کی آمد کو روکنے کی سرتوڑ کوشش کرتا رہا ہے۔(20)

چھوٹے بڑے دھماکوں کے پیچھے سیاسی ذہن بھی کارفرما ہوتا ہے۔نائن الیون کے بعدمسلم ریاستوں کوشک کی نظر سے نہ صرف دیکھا گیابلکہ امریکہ کے سینکڑوں شہری مسلمانوں کوFBI نے حراست میں لے کران پر خوفناک تشدد کیا۔یمن،فلسطین،کشمیر،میانمار وغیرہ سےظلم وستم کی خبریں آئے روز نشر ہوتی رہتی ہیں۔افغانستان میں دہشت گردی کابازار عموماً گرم رہتا ہے۔

دھماکوں سے فضا میں اس قدر زہریلی گیسوں کا ملاپ ہوجاتا ہے کہ فضا بوجھل ہو جاتی ہے،جس سے سانس کی بیماری اور کئی جلدی امراض جنم لیتے ہیں۔علاوہ ازیں فضا میں پرندوں کی افزائش نسل متاثر ہوتی۔جانوروں اور انسانوں کے مقابلے میں پرندوں کی مدافعاتی قوت بہت کم ہوتی ہے،جس وجہ سے وہ فضائی آلودگی سے حد درجہ متاثر ہوتے ہیں۔ایسے ہی واقعات کوشعرا نے مختلف طریقوں سے باندھا ہے۔

فضا میں ہر طرف بارود کی بُو
فلک کا رنگ بھی خوں رنگ کیوں ہے(21)

اس کو کیا حق ہے یہاں بارود کی بارش کرے
اس کو کیا حق ہے مرے رنگلے کبوتر مار دے(22)

بم پھٹا، ساٹھ چینلوں میں بٹا
لوگ سارے گلی کے کام آئے(23)

نظامِ کائنات میں توازن:

1992ء میں کراچی میں ایک تنظیم بزمِ سائنسی ادب کا قیام عمل میں آیا، جس کا مقصد ادب اور سائنس کے امتزاج کا اظہار کرنا تھا۔ اس بزم کی ذیلی تنظیم، محفلِ سائنسی شعر و سخن کی بنیاد 2008ء میں رکھی گئی، جس کے تحت سائنسی شعری نشستیں ہوتی تھیں۔ ان نشستوں میں ایسے کلام پڑھے جاتے تھے جن کا سائنس سے تعلق ہو یا سائنسی مسائل کو سامنے لاتے ہوں۔ شفیع حیدر صدیقی دانش ان مشاعروں کی جان تھے۔ ان کی بہت سی سائنسی غزلیں اور نظمیں، جو انھوں نے بزمِ سائنسی ادب کے مشاعروں میں پڑھیں، کلیاتِ دانش میں شائع ہو چکی ہیں۔ ایسے مشاعروں نے سائنس کے طلبہ و قارئین کو حد درجہ متاثر کیا۔ اس قسم کی شاعری میں سائنس کی اصطلاحات و مسائل کا ذکر نمایاں ہے۔ بزمِ سائنسی ادب میں پڑھی گئی غزلوں سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

ابھی جین کے امتحاں اور بھی ہیں
کلوننگ کے سود و زیاں اور بھی ہیں
فلورا و فاؤنا نہیں حرفِ آخر
توازن کی باریکیاں اور بھی ہیں(24)

ایک اور مسلسل غزل سے اشعار ملاحظہ ہوں:

خلا پہ ہم جو فریفتہ ہیں
وہاں عناصر تو ریختہ ہیں
گراں تنفس پہ ہیلیم ہے
وہاں تو O2 بہت ہی کم ہے
درِ تمنا تو پھر بھی وا ہے
ہر اک دریچہ کھلا ہوا ہے (25)

کائنات میں موجود ماحولیاتی عناصر، گیسیں اور نباتات کی موجودگی اور توازن سے

جانداروں کی بقا ممکن ہے۔کیلشیم کے بغیر انسانی جسم مردہ ہے۔قدرتی کوبالٹ جانداروں کے لیے ضروری عنصر ہے، کیوں کہ یہ وٹامن B12 کا لازمی جز ہے۔گندھک کی ایک خاص مقدار کا استعمال کھانوں میں کیا جاتا ہے، زیادہ مقدار سے جسمانی عارضے لاحق ہو سکتے ہیں۔انسان میں بہتر صحت کے لیے آئیوڈین پندرہ سے بیس ملی گرام ہونا ضروری ہے۔اسی طرح نباتات کی افزائش پر توجہ مرکوز کرنا اہم ہے۔ورنہ آکسیجن کا فقدان لازمی ہے، جس سے زمینی مخلوق کی اموات یقینی ہے۔گویا تمام عناصر میں توازن بہت ضروری ہے۔قدرتی ماحول پر انسان ساز مصنوعی ماحول کے منفی اثرات سے ماحول غیر متوازن ہوا ہے، جس سے ماحولیاتی بحران کی صورتِ حال پیدا ہوئی۔اسی پس منظر میں شفیع حیدر کی نظم' عناصر کا زیروزبر' کے اشعار ملاحظہ کیجیے۔

بدن جو عناصر میں ہیں جا بجا
توازن ہے ان میں تھرکتا ہوا
نہیں کیلشیم ہے تو ہڈی کُجا
لہو میں بھی لوہا ہے جلوہ نما
عجب تانبا و جست کا ماجرہ
انھی سے رقم ہے ہماری بقا
سلام آئیوڈیں کو ہے صبح و مسا
عَلم سب سے اونچا فلورین کا
کبھی سوڈیم کو نہ کہنا بُرا
ہے کوبالٹ میں بھی ہمارا بھلا
زمیں پہ جو گندھک کا ہے سلسلہ
نہیں یہ تو ہستی ہے رو بہ فنا
عناصر میں جب نہ توازن رہا
بکھرنے لگا زیست کا ہر صفحہ
دریدہ ہوئی جو زمیں کی قبا
عناصر بکھرنے لگے جا بجا

بدن آرسینک سے کیا اٹ گیا
مصائب کا اک سلسلہ چل پڑا
نباتات ہی پہ کریں انحصار
یہی ہے مشیتِ پروردگار(26)

دھند اور کہر:

دھوئیں کے علاوہ سردیوں کے موسم میں دھند کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے۔خالی سڑکوں اور باغات،کھلی زمینوں میں حدِ نظر دھند ہی دھند ہوتی ہے۔اس کے باعث روڈ ایکسیڈینٹ اور فضائی حادثے ہوتے ہیں۔کام کاج متاثر ہوتا ہے۔

دھند چھٹتی ہے تو پھر اک دھند چھا جانے لگے
کھل نہیں پاتا یہی ماجد کہاں ہم آپ ہیں(27)

دھند سے زیادہ خطرناک کہر(سموگ)ہے۔کہر،دھوئیں اور دھند کے ملاپ سے بنتی ہے۔اس کی پیداوار میں موٹر گاڑیاں،آگ،کچرے کو جلانا،صنعتی عناصر اور پیٹرول کی پیداوار کا ہوتا ہے۔اس لیے کہر آلودہ فضا میں باہر نکلنا اور سفر کرنا خطرناک ہے۔اس سے گلہ خراب،بینائی کمزور،سماعت متاثر اور جلد خراب ہوتی ہے۔کہر نہ صرف انسانوں کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ یہ زمینی پیداوار،سبزیوں اور پھلوں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔جاں نثار اختر اس کے ظاہری اثرات کو دو شعروں میں یوں بیان کرتے ہیں۔

ہو چکی ہیں گل افق کی سرخیاں
تیرگی ہے کارواں در کارواں
بجھ گیا ہو جیسے نظروں میں جہاں
کچھ نہیں معلوم جانا ہے کہاں(28)

اوزون میں شگاف کا مسئلہ:

فضائی آلودگی کے سبب اوزون میں شگاف کا مسئلہ گھمبیر صورت اختیار کر گیا ہے۔کورونا عہد میں اوزون لہر میں بہتری آئی مگر مابعد کورونا عہد میں جب دوبارہ سے زندگی پہلی روٹین پر

آئی اور گاڑیوں کا کثیر استعمال، تیل، ڈیزل کا جلنا، کارخانوں سے گیسوں کا خارج ہونے سے اوزون لہر میں شگاف پھر سے ہونے لگا ہے۔ یہ شگاف مسلسل بڑھتا چلا جا رہا ہے، جس کے باعث زمینی درجہ حرارت میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس گرمی کو کمزور جاندار(Species) زیادہ برداشت نہیں کر سکتے اور جلد ہی ہلاک ہو جاتے ہیں، جبکہ طاقتور انسان اور جانور رفتہ رفتہ کمزوری کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔ فضا میں گرم لُو چلتی ہے، جس سے بدن جھلس کر رہ جاتے ہیں۔ کلوروفلور وکاربن یعنی سی ایف سی مرکبات کا استعمال (کار، اے سی، فریج، بلب وغیرہ) اور نائٹرس آکسائیڈ بھی اوزون کے لئے تباہ کن ہیں۔

Ozone layer depletion is the gradual thinning of the earth's ozone layer in the upper atmosphere caused due to the release of chemical compounds containing gaseous bromine or chlorine from industries or other human activities.(29)

اوزون کو فضا میں کیا خود ہی بے لباس
اب خود ہی اس کو دیکھ کر شرما رہا ہوں میں(30)

شفیع حیدر کی نظم' دریچہ' کا درج ذیل بند اسی پس منظر کو سامنے لاتا ہے۔

یہ جو بنفشی سے ماورا ہے
زہر اسی میں بھرا ہوا ہے
فضا کے اوپر جو اک فضا ہے
وہی تو اوزون کی ردا ہے
شگاف اس میں بھی پڑ گیا ہے
بس اک دریچہ کھلا ہوا ہے (31)

درختوں کا فقدان:

ہمارے معاشرے میں فضائی آلودگی نہ صرف بڑھ رہی ہے بلکہ اس مسئلے کے حل کے لیے خاطر خواہ اقدام بھی نہیں کیے جا رہے۔ جنگلات اور درخت جو قدرتی طور پر موجود ہوتے ہیں، کٹاؤ کی زد میں ہیں۔ جنگلات کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ ان کی موجودگی فضا کو صاف کرنے کا اہم وسیلہ

ہے۔ دوسری طرف درخت فضائی ماحول کی گرمی کی حدت کو کم کرنے میں مددگار ہیں۔ مجید امجد کی نظم، توسیعِ شہر،اسی مسئلے کا بیانیہ ہے۔انسان اپنے ہاتھوں سے قدرتی وسائل سے خود کو محروم کر رہا ہے۔انور مسعود رومان و ماحول کی ملی جلی کیفیت کا اظہار اپنی ایک نظم میں کرتے ہیں۔ وہ محبوب کے حسن کو باغات کے حسن میں تلاش کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات محبوب کی موجودگی حسنِ سبزہ میں اضافہ کرتی ہے۔انھیں فطرت متصادم رویہ رنج پہنچاتا ہے۔ وہ فطرت شناس وفطرت پسند ہیں، جس کا ثبوت یہ غزل ہے۔

جیسے کٹتے ہیں تبر کی دھار سے
کاش پیڑ اگتے اسی رفتار سے
زلفِ خوباں کی مہکتی خنکیاں
یاد آئیں سایۂ اشجار سے
حسن دوبالاہوا ہے پیڑ کا
ایک جھُولاجھولتی مٹیار سے
نیک نامی اک شہِ خوش ذوق کی
اب بھی وابستہ ہے شالامار سے (32)

رئیس فروغ درختوں کے کاٹنے کو وبا کے مثل سمجھتے ہیں۔ وہ اس وبا کو نو آبادکاروں اور شہر کاری کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور اسے استعماری سوچ کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔شہروں میں بڑھتی آبادی، اداروں، پلازوں اور دکانوں کا اضافہ نئے اندازِ تعمیر کو رواج دے رہا ہے، جہاں درختوں کا کٹنا عمومی ہے۔

شہروں کے چہرہ گر جنھیں مرنا تھا مر گئے
پیڑوں کو کاٹنے کی وبا عام کر گئے (33)

ایمیزون جنگلات میں آتش زدگی پر رئیس فروغ کی نظم ٗنئے پرندے صادق آتی ہے۔ کئی ممالک کا احاطہ کرتے ان جنگلات میں کئی بار آگ کے شعلے بھڑک چکے ہیں، بلکہ چند ماہ سے اکثر ایمیزون جنگلات میں آگ لگی رہتی ہے۔اس آتش زدگی نے کثیر تعداد میں جنگلی حیات، پرندوں اور درختوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر بھسم کر دیا ہے۔

جہاں درختوں میں آگ لگنے سے
اژدہے جل کے راکھ ہوتے ہیں
ان پہاڑوں کی گھاٹیوں میں
ہمارے بیٹے
نئے پرندے تلاش کرنے
چلے گئے ہیں (34)

درخت جانداروں کے لیے آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ یہ ماحول کے تحفظ کا بنیادی وسیلہ ہیں مگر انسان اپنے ہی ہاتھوں خود کو موت کی سمت لے جا رہا ہے۔ مابعد عہد کی شاعری میں ہائپر زندگی اور صارفی کلچر کے نقوش در آئے ہیں، جو کہ میڈیا زدہ سوچ کی عکاسی کرتے ہیں۔

دیتا تھا جو سایا، وہ شجر کاٹ رہا ہے
خود اپنے تحفظ کی وہ جڑ کاٹ رہا ہے(35)

دھواں دھواں ہے درختوں کی داستاں انور
کہ جنگلوں میں پلے اور بستیوں میں جلے(36)

شہر اور گاؤں کا ماحول:

ماحولیاتی نقاد گاؤں کو شہر پر ترجیح دیتے ہیں۔ شہروں کی زندگی مصنوعی اور فطرت سے دوری کی زندگی ہے، جہاں غلاظت، آلودگی، شور، ہنگامے، دھواں وغیرہ پھیلا ہوا ہے۔ شہروں میں ماحولیاتی صورتِ حال ابتر ہے اور بڑے شہروں میں نہایت ابتر۔ کراچی کو اگر کچراچی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ گاؤں اور شہر کے ماحول کے فرق کو اردو شعرا نے اپنے مشاہدات و تجربات کی سطح پر بیان کیا۔ علاوہ ازیں گاؤں سے لگاؤ کا اظہار بھی شعروں کی صورت ہوا ہے۔

ضمیر جعفری اس ماحولیاتی تبدیلی کو سماجی پس منظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک امیر طبقہ ماحول میں منفی تبدیلی لانے کا باعث ہے۔ نئی تعمیرات کے سبب سبزے اور درختوں کا معدوم ہوتے جا رہے ہیں، جن میں بڑی عمارتیں، پلازے اور کوٹھیاں شامل ہیں۔

اک قصر کیا بنا کہ محلے اُجڑ گئے
پیڑوں پہ دیکھیے کوئی پتا نہیں رہا(37)

شہروں میں شوروغوغا کے سبب سماعت متاثر ہوتی، گرد اور دھوئیں سے جلد خراب ہوتی، گرمی سے طبیعت نڈھال ہوتی اور بیمار ہوا سے سانس کا عارضہ لاحق ہوتا ہے جبکہ گاؤں میں تازہ ہوا، سبزہ و گل، خاموشی، صفائی اور آکسیجن میسر ہے۔ علاوہ ازیں شہروں میں کاغذی پھول زیادہ اور اصل کم کم ہیں جبکہ گاؤں میں ہر طرح کے پھول کی خوشبو اور رنگت موجود ہوتی ہے۔

آ کے دیکھو تو سہی شہر مرا کیسا ہے
سبزہ و گل کی جگہ ہے در و دیوار پہ خاک(38)

شہر نے رُخ کر لیا ہے جب سے گاؤں کی طرف
دھوپ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے چھاؤں کی طرف(39)

نفس کشی کا عمل خودکشی برابر ہے
فضائے شہر بگولوں کے بس میں آ گئی ہے(40)

آسودگی کی جان اگر ہے تو گاؤں میں
شہروں کا زہر گھول نہ دینا ہواؤں میں
بیلا ہو، کیتکی ہو کہ چمپا کی چاندنی
ہر پھول سے قریب تھے ہم اپنے گاؤں میں(41)

حبس کا احساس مر جاتا ہے آغا شہر میں
گاؤں کی جانب سے جب ٹھنڈی ہوا آتی رہے(42)

دھوپ ڈسنے لگ گئی تھی، چھاؤں تک جانا پڑا
آکسیجن کے لیے بھی گاؤں تک جانا پڑا(43)

انسانوں اور پرندوں پر اثرات:

بہت سے دیگر کیمیائی عناصر کی طرح سلفر (گندھک) بھی فضا پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر چہ یہ غیر دھاتی عنصر فصلوں میں کیڑے مار دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، مگر اس کے جلنے کے عمل سے سلفر ڈائی آکسائیڈ بنتی ہے۔ اگر یہ گیس زیادہ مقدار میں کھانوں میں استعمال کی جائے تو اس سے پھیپھڑے، آنکھیں اور پٹھے متاثر ہو سکتے ہیں۔ جلتی گندھک پودوں اور کیڑوں کے سانس کے عمل کو روکتی ہے۔

ڈیزل پیٹرول سے بھاری ایندھن ہے، جس کے جلنے سے فضا قدرے زیادہ آلودہ ہوتی ہے۔ اسی لیے مغربی ممالک میں اکثر اس پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ شفیع حیدر دانش اس کے جلنے سے کے نقصانات یوں بیان کرتے ہیں۔

یہ بوئے سلفر و ڈیزل ہوا میں بس گئی اتنی
کسی صورت بھی چشمِ تر کی طغیانی نہیں جاتی(44)

سانس لینا بھی ایک دشواری
آکسیجن بھی دستیاب نہیں
پھیپھڑوں کو دھوئیں سے بھرتا ہوں
جب ترے شہر سے گزرتا ہوں(45)

پرندوں کی چہچہاہٹ ماحول کی رونق ہے اور اس رونق کو صارفی اور ماس میڈیا کلچر مسلسل ختم کرتا جا رہا ہے۔ پرندوں کی پیڑوں سے محبت، مچھلی کی پانی سے مؤدت جیسی ہوتی ہے، مگر مابعد جدید دور کی صورتِ حال میں جنگلات اور درختوں کے ساتھ ساتھ پرندوں کی نسلیں بھی معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ درختوں کے ڈھے جانے یا کاٹنے سے پرندے زخمی ہوتے، گھونسلے برباد ہوتے اور کئی پرندے موت کا نوالہ بن جاتے ہیں۔

درخت کٹ گئے لیکن وہ رابطے ناصر
تمام رات پرندے زمیں پہ بیٹھے رہے(46)

پیڑ کیا ٹوٹا ہے گوہر آندھیوں کے زور سے
شاخ پر بیٹھا پرندہ خون میں تر ہو گیا(47)

ہم پرندوں کو بچاتے تو بچاتے کیسے
ساتھ پتوں کے اُڑا لے گئی اشجار ہوا(48)

پرندوں کے دلوں میں وسوسے ہیں
فضا کا رنگ کچھ بدلا ہوا ہے(49)

کوروناوائرس کے اثرات:

2019ء کے آخر میں ناول کورونا کا آغاز ووہان (چائنہ) سے ہوا، جو جلد ہی پھیلنے لگا اور چند مہینوں میں تمام ممالک میں پھیل گیا۔ ترقی پذیر ممالک کی نسبت ترقی یافتہ ممالک اس وبا سے شدید متاثر ہوئے ہیں۔ اس عالمی وبا نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ پاکستان میں مارچ 2020ء میں اس نے شدت اختیار کرنا شروع کی اور تقریباً چھ ماہ (اگست) تک پھیلتا گیا۔ مغربی ممالک میں تاحال کورونائی صورتِ حال ہے۔ اس وبا پر دنیا بھر میں بحثیں، کالم، خبریں اور مضامین لکھے گئے۔ علاوہ ازیں دنیا کے ادبا و شعرا بھی اس سے متاثر ہوئے۔ اردو شعرا نے مختلف انداز سے اور کثرت سے اس وبا پر اشعار کہے۔ مسلسل غزلیں، فردیات اور ہر ہیئت کی نظمیں کہی گئیں۔

کورونا فضائی وبا ہے، جو پھیپھڑوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ کھانسی، بخار، سر درد اس کی علامات ہیں۔ اس میں بیکٹیریا کا دخل نہیں لہذا اینٹی بائیوٹکس اسے صاف نہیں کر سکتے۔ لومبارڈی (اٹلی) کا علاقہ اس سے بے حد متاثر ہوا۔ اسی کا باعث اس علاقے کی آلودگی بتائی جاتی ہے۔ ووہان بھی صنعتی علاقہ ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق یہی صنعتی آلودگی اس وبا کا باعث بنی۔ دنیا میں شہروں سے دور علاقے، مضافات اور گاؤں اس وبا سے قدرے محفوظ رہے۔

سماج پر کورونا وبا کے منفی اثرات پڑے۔کورونا وبا کے باعث محنت کشوں کی زندگیاں خطرے سے دو چار ہیں۔اسٹاک مارکیٹیں خسارے میں،کمپنیاں دیوالیہ، بے روزگاری، مزدوروں کی نوکریاں ختم ہوئیں۔حکومتوں نے آغاز میں اس وبا پر توجہ نہیں دی ،منافع خوری پر توجہ دیتے رہے اور صحت کے بجائے پیداوار کو اہم سمجھا۔ وباؤں کا پھوٹنا ناگزیر جبکہ ان کا پھیلنا اختیاری ہے۔کورونا نے لاکھوں انسانوں کی جانیں لیں۔شعرائے اردو نے مختلف طرپر اس موضوع پر اشعار کہے۔بعض کے ہاں دعائیہ انداز ہے اور بعض شعرانے کورونائی مضمون کو رومانوی تڑ کا بھی لگایا، جو کہ غزل کی بنیادی صفت ہے۔کورونا کے باعث فاصلہ رکھنا ضروری ٹھہرا،جس کا اثر بالخصوص شاعری پر ہوا اور یہ موضوع شعروں میں در آیا۔عاشق تو ویسے ہی محبوب کی زیارت اور وصل کو ترستا ہے۔کورونائی صورتِ حال میں دوری اور فاصلہ اس پر مزید گراں گزرتا ہے۔

ٹینشن سے مرے گا، نہ کرونے سے مرے گا
اک شخص ترے پاس نہ ہونے سے مرے گا

(ادریس بابر)

کورونا پر پابند، آزاد،عشرہ،نثری ہر طرح کی نظم لکھی گئی۔کورونائی صورت حال نے رجوع الی اللہ کی طرف توجہ دلائی،گویا کورونا وبا کتھارسس کا ذریعہ بنی۔ بہت سے لوگ مثل اعتکاف قرنطینہ ہوئے۔ دنیا کے معاملات و مسائل سے ایک طرف ہوئے اور گھر والوں کے ساتھ وقت صرف کیا۔تمام سرکاری و نجی ادارے بند ہوئے،حتیٰ کہ مساجد میں اجتماعی نمازوں پر پابندی رہی، باوجود اس کے متعدد لوگ دعاؤں میں محو رہے۔نجمہ منصور کے نزدیک یہ وبا زمین پر انسانی فساد کی ایک صورت ہے۔نجمہ منصور اس معاملے کو تلمیحی رنگ میں بیان کرتی ہیں کہ جب فرشتوں نے اللہ پاک سے مکالمے کے دوران' من یفسد فیھا' کہا تھا۔

اے میرے مہربان خدا
اے کن فیکون کے مالک
میں تیری ادنی زمین زادی
تیرے حرف' کن' کی منتظر
تجھ سے دکھ سکھ کرنا چاہتی ہوں

یہ جانتے ہوئے بھی کہ
دکھ، اداسی اور خاموشی کی زبان میں لکھی ہوئی عرضی
جب تیرے دربار میں پہنچتی ہے تو
فرشتوں میں اضطراب کی لہر دوڑ جاتی ہے
ابلیس ہنستا ہے
میں نہ کہتا تھا
یہ آدم زاد
زمین پر فساد پھیلائے گا

اے میرے مہربان خدا
اے کن فیکون کے مالک
سن
آج سب زمین زادے
شرمسار
نظریں جھکائے
اپنی اپنی خود ساختہ قبروں میں دبکے ہوئے ہیں کہ
ان کے لیے
زمین کے اوپر
ذرا سی جگہ بھی نہیں بچی ہے
کیوں کہ
وہاں ان کے پھیلائے ہوئے
فسادوں کے وائرس
بکھرے پڑے ہیں
اور وہ

وہ ڈر کے مارے
''چادرِ تطہیر'' اوڑھے چپ چاپ بیٹھے ہیں

اے میرے مہربان خدا
اے کن فیکون کے مالک سن
ہمیں اس قیدِ تنہائی سے رہائی دے
میں تیری ادنیٰ نظم زادی
تیرے ایک لفظ 'کن' کی منتظر ہوں (50)

آج ہم مابعد کورونا عہد میں داخل ہو چکے ہیں۔کورونا کے دوران ماحول میں جو بہتری آئی تھی، دوبارہ اس کے برعکس صورتِ حال نظر آرہی ہے۔ پھر وہی کارخانے، ٹریفک، دھواں، آلودگی۔ پاکستان میں اگست اور ستمبر میں تیز بارشوں کی صورتِ حال سے ابتر حالات ہیں، جو آبی آلودگی سے تعلق رکھتے ہیں، جس کا ذکر اگلے باب میں کیا جائے گا۔

حوالہ جات

https//:www.punjnud.com/ViewPage.aspx?BookID= HYPERLINK "https//:www.punjnud.com/ViewPage.aspx?Book
ID=9273&BookPageID=224055&
BookPageTitle=Maholiyaat"9273

2. احمد فراز، خوابِ گل پریشاں ہے (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2006) ص 79:
3. عباس تابش، عشق آباد، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2011) ص 300:
4. شکیب جلالی، روشنی اے روشنی (لاہور: ماورا پبلشرز، 2002) ص 40:
5. احمد مشتاق، کلیات (الہٰ آباد: شب خون کتاب گھر، 2004) ص 175:
6. انور مسعود، میلی میلی دھوپ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2010) ص 59:
7. ایضاً ص 87:
8. ایضاً ص:59
9. احمد مشتاق، کلیات، ایضاً ص:188
10. افضل گوہر، رمق (لاہور: ساگر پبلشرز، 2008) ص:18
11. افضل گوہر، اچانک (راولپنڈی: حرف اکادمی، 2001) ص:25
12. یوسف خالد، ہوا کو بات کرنے دیں (لاہور: عکس پبلی کیشنز، 2012) ص:99
13. انور مسعود، میلی میلی دھوپ، ایضاً ص:37

14 .https//:www.aikrozan.com/%D HYPERLINK

16. ایضاً ص:124
17. ایضاً ص:33
18. معین نظامی، طلسمات (لاہور: بک ہوم، 2008) ص:39
19. ادریس بابر، یونہی (لاہور: کاروان بک ہاؤس، 2012) ص:83
20. https//:www.independenturdu.com/node/ HYPERLINK "https//:www.independenturdu.com/node/43541"43541
21. شاکر کنڈان، ریاضت (سرگودھا: عقیدت، 2011) ص:143

22. عباس تابش، عشق آباد، ایضاً،ص:568

23. ادریس بابر، یونہی، ایضاً،ص:80

24. شفیع حیدر صدیقی دانش، کلیاتِ دانش (کراچی: دانش کدہ، 2008ء)ص:227

25. ایضاً،ص:231

26. ایضاً،ص:237

27. ماجد صدیقی، ماجد نشان (اسلام آباد: پورب اکادمی، 2008ء)ص:65

28. جاں نثار اختر، کلیات (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2003ء)ص:67

29. https//:byjus.com/biology/ozone-layer-depletion HYPERLINK "https//:byjus.com/biology/ozone-layer-depletion/"/

30. شفیع حیدر صدیقی دانش، کلیاتِ دانش، ص:190

31. ایضاً،ص:232

32. انور مسعود، میلی میلی دھوپ، ایضاً،ص:44

33. رئیس فروغ، رات بہت ہوا چلی، ایضاً،ص:26

34. https//:HYPERLINK "https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3"/raisfroughe. HYPERLINK ◘"https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3"/wordpress. HYPERLINK "https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3"/com/ HYPERLINK "https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3"/2018 HYPERLINK "https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3/"/ HYPERLINK "https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3"/03 HYPERLINK "https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3/"/ HYPERLINK "https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3"/page/ HYPERLINK "https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3"/3 HYPERLINK

"https//:raisfroughe.wordpress.com/2018/03/page/3/"/

35. بلقیس ظفیر الحسن، شعلوں کے درمیاں، (دہلی، معیار پبلی کیشنز، 2004) ص:142

36. انور مسعود، میلی میلی دھوپ، ایضاً ص:66

37. ضمیر جعفری، سید، من مندری (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 1996) ص:115

38. احمد فراز، اے عشق جنوں پیشہ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2007) ص:165

39. افضل گوہر، ہجوم (راولپنڈی: حرف اکادمی، 2006) ص:53

40. شاہد ذکی، سفال میں آگ (فیصل آباد: ہم خیال پبلشرز، 2006) ص:175

41. جاں نثار اختر، کلیات، ایضاً ص:146

42. ضمیر جعفری، سید، من مندری (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 1996) ص:54

43. ارشد ملک، مشاعرہ، ۲۲ اگست ۲۰۲۰، آئی ایل ایم کالج، سرگودھا

44 شفیع حید رصدیقی دانش، کلیاتِ دانش ص:228

45. انور مسعود، میلی میلی دھوپ، ایضاً ص:96

46 https//:www.rekhta.org/ghazals/
khule-dilon-se-mile-faasla-bhii-rakhte-rahe-hasan-
nasir-ghazals?lang=ur

47. افضل گوہر، خوش نما (لاہور: ساگر پبلی کیشنز، 2010) ص:59

48. افضل گوہر، اچانک، ایضاً ص:24

49. یوسف خالد، ہوا کو بات کرنے دیں، ایضاً ص:99

50 http//:pal.gov.pk/uza- HYPERLINK
"http//:pal.gov.pk/uza-223"/223HYPERLINK
"http//:pal.gov.pk/uza-223/"/

اُردو شاعری آبی ماحولیات کے تناظر میں

پانی کسی بھی زندگی کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔ کرۂ ارض کا ایک چوتھائی حصّہ خشکی، جبکہ تین چوتھائی حصّہ پانی پر مشتمل ہے۔ درخت اور پودے پانی کی بنا پر وجود رکھتے ہیں۔ قدرتی طور پر پانی مائع، بخارات اور گیس تینوں حالتوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ پہاڑوں پر برفانی تودوں کی شکل میں موجود ہے، جو گرمی میں مائع حالت میں بہتا ہے۔ اسے بوقتِ ضرورت پگھلا کر استعمال میں بھی لایا جاتا ہے۔ آبی چکر کے تحت اس کائنات کے خالق نے پانی کا ایسا نظام جاری کیا ہے، جس سے پانی سطحِ زمین، آبی ذخائر اور نباتات سے تبخیری عمل کے ذریعے سے کرہ باد میں داخل ہوتا ہے، جو بعد میں کثیف ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے، بعد ازاں یہ پانی بارش، برف اور اولوں کی شکل میں برستا ہے۔ آبی چکر کے حوالے سے قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

> اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے، پھر اس کے ذریعے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے، (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیے ہیں اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے۔(1)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہوا کے بعد پانی سب سے بڑی نعمت ہے، جو زندگی کی بقا کا ضامن ہے۔ قدرتی وغیر قدرتی سرگرمیوں، صنعتی وزرعی عوامل میں پانی کسی نہ کسی شکل میں خرچ ہوتا رہتا ہے۔ دنیا میں موجود پانی کے کل ذخائر کا صرف تین فیصد قابل آبنوشی ہے، جس کا دو فیصد برف کی شکل میں موجود ہے جبکہ ایک فیصد دریاؤں، سمندروں وغیرہ میں مخلوق کے پینے کے لیے ہے۔

کلاہِ برف گرے گی زمیں کے قدموں پر
پڑی جو دھوپ پہاڑوں کے تاج اتریں گے(2)

قدرت نے پانی کی صفائی کا ایک نظام وضع کر رکھا ہے، جس کے تحت ندیوں، نہروں،

دریاؤں کا پانی ایک سطح پر صاف رہتا ہے، مگر انسانی ثقافتی و صنعتی ترقی نے قدرتی نظام کو خراب کرنے میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی اور اب یہی اشرف مخلوق صاف پانی کی دستیابی کے لیے پریشان ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ زمین پر پہلے پہل انسان دریاؤں اور ندیوں کے قریب بستے تھے تا کہ پانی کا حصول آسانی سے ممکن ہو سکے۔آبی ماحول میں قدرتی تبدیلیاں برسات، برف باری، سمندری طوفانوں کی شکل میں رونما ہوتی ہیں۔آبی ماحول میں تبدیلی، نئے منظر کو جنم دیتی ہے۔

آبی ذخائر میں مدوجزر کے واقع ہونے سے سماج میں منفی تبدیلیاں بھی جنم لیتی ہیں، جو کسی بھی آبادی کے لیے خطرناک ہوتی ہیں۔احمد فرازؔ اسی بات کو موضوع بناتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہاں کچھ آشنا سی بستیاں تھیں
جزیروں کو سمندر کھا گئے کیا(3)

وہ جو آسودۂ ساحل ہیں انھیں کیا معلوم
اب کے موج آئی تو پلٹے گی کنارے لے کر(4)

کسی بھی ملک کی معاشی بہتری کے لیے پانی کا وافر مقدار میں موجود ہونا ضروری ہے۔ پانی کی کمی سے زرعی ممالک بالخصوص متاثر ہوتے ہیں۔علاوہ اس کے، زرعی زمینوں میں اگر آلودہ پانی داخل ہو جائے تو وہ اس زمین کو خراب کر دیتا ہے۔فصلیں حد درجہ متاثر ہوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج کل زمینی خوراک میں ذائقہ کی لذت کم ہوتی جا رہی ہے۔مزید یہ کہ سبزیاں جو کہ جسمانی توانائی کا ذریعہ ہیں، جسمانی بیماریوں کا سبب بن رہی ہیں۔

بہا کے لے گیا سیلاب، کھیت، گھر، کھلیان
بچی کھچی ہوئی اب زندگی کہاں لے جائیں(5)

زرعی ادویات جن میں کیمیکل کی کھادیں اور کیڑے مار ادویات شامل ہیں، پانی کو زہر آلود کر دیتی ہیں۔ یہ عناصر زیرِ زمین رِستے رہنے سے زمین کے نیچے موجود پانی کی حالت (رنگ، بو اور ذائقے) کو متاثر کرتے ہیں۔

بارش اگرچہ کسی نعمت سے کم نہیں اور بارش کا پانی زمینی خوراک کی افزائش کا وسیلہ ہے۔

اسی پر دنیا کا زرعی نظام استوار ہے۔ پیڑوں، پودوں اور پھولوں پھلوں کے وجود میں اس (پانی) کا کردار اہم اور بنیادی نوعیت کا ہے۔ مگر یہی بارشی پانی اگر پودوں کے تنوں کے قریب گھیرے میں زیادہ دیر کھڑا رہے تو جڑوں میں ہوا کا گزر نہیں ہوتا اور یہ گلنا سڑنا شروع ہو جاتی ہیں، جس سے باغات تیزی سے انحطاط پذیر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ پودے کا زخم شدہ حصہ پانی میں ڈوبا رہنے سے مختلف بیماریوں کا شکار ہو سکتا ہے۔

قرآن میں قدرتی طور پر صاف پانی کے انتظام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سورہ رعد کی آیت 17 کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اس نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا تو وادیاں اپنی (اپنی) گنجائش کے مطابق بہہ نکلیں، پھر سیلاب کی رو نے ابھرا ہوا جھاگ اٹھا لیا'' (6)۔ اللہ کی عطا کردہ قوت سے انسان نے دریاؤں، سمندروں کو تسخیر کیا، جس سے انسان نے خزانے نکالے اور استفادہ کیا لیکن انسان نے نام نہاد ترقی کے لیے قدرتی نظام آب میں خرابی پیدا کی اور اب وہ صاف پانی کے لیے پریشان ہے۔ حالت یہ ہے کہ اب یہ آلودہ پانی ہرگز قابل نوش نہیں۔

آبی تبدیلی کی دوسری سطح مصنوعی ہے۔ جدید دور میں انسانی نظام اور ثقافت معاشرے میں آبی آلودگی کو پھیلانے کا باعث ہے۔ تیزابی بارش کے پیچھے بھی مصنوعی نظام موجود ہے۔ حصولِ توانائی کے لیے جب سے کوئلوں کا وسیع پیمانے پر استعمال شروع ہوا تب سے بارشوں میں تیزابیت آنے لگی۔ صنعتی کلچر عام ہونے سے تیزابی بارشوں میں شدت در آئی۔ تیل، گیس اور کوئلے سے خارج ہوتا سلفر ڈائی آکسائیڈ اس تیزابیت کا سبب ہے۔ اسی ماحولیاتی پہلو کو فراز سے شعری صورت میں واضح کیا ہے۔

یہ کیسی زہر بھری بارشیں ہوئیں اب کے
کہ میرے سارے گلابوں کا رنگ نیلا ہے (7)

گنجان آباد بستیوں سے گندے پانی اور انسانی فضلہ کے اخراج، گھڑگھڑاتی مشینوں، دھواں اگلتی چمنیوں اور حمل ونقل کے ذرائع سے روز افزوں ترقی نے ہوا اور پانی کو آلودہ کیا۔ بڑھتے صنعتی فضلات کو ٹھکانے لگانے کے لیے نہروں، دریاؤں اور سمندروں کے علاوہ کوئی راستہ نہ سوجھا، یوں پانی آلودہ ہونے لگا اور اس آبی آلودگی کے منفی اثرات پرندوں پر بھی پڑے۔

کاروباری ذہن کا رجحان نئی تعمیرات کی طرف ہے۔ کراچی کے ساحل سمندر پر نئے پروجیکٹس لگائے جا رہے ہیں۔ امرا کی رہائش کے لیے ساحل سمندر پر خرید وفروخت جاری ہے، جس کی آلودگی بلاواسطہ سمندر میں جائے گی اور ساحل کے ساتھ ساتھ پانی کی کو آلودہ کرے گی۔ اس عمل سے آبی جانداروں میں نہ صرف طرح طرح کی بیماریاں جنم لیں گی بلکہ آبی جانداروں کی موت بھی ہو گی۔ اسی تناظر میں انور مسعود کی نظم ''آب وہوا'' ملاحظہ ہو:

جتنا دھوئیں کا زہر جہاں سے بھی مل گیا
جھونکے ہوا کے اس کو جہاں بھر میں لے گئے
دریاؤں کے سپرد ہوئیں جب کثافتیں
دریا کثافتوں کو سمندر میں لے گیا(8)

ان کثافتوں کے باعث آبی جاندار مختلف بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ مچھلیوں میں بیماریوں اور جلدی خرابیوں کا ایک سبب ایلومینیم بھی ہے۔ آبی ماحول میں تیزابیت کے اضافے سے مٹی میں موجود ایلومینیم پانی میں حل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ایلومینیم مچھلیوں کے گلپھڑوں میں خلل پیدا کرتا ہے، اس کے نتیجے کے طور پر ان کی سانس لینے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے۔ ہیڈ بلوکی سے شکار کی جانے والی مچھلیاں بھاری میٹلز کے باعث صحت کے لیے خطرناک ثابت ہو چکی ہیں۔ ایسے حالات پر انور مسعود کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

آدمی نے وہ زہر گھولا ہے
مچھلیاں مر رہی ہیں پانی میں(9)

دریائے راوی کی حالت یہ ہے کہ شہر لاہور کے شاد باغ سے لے کر مانگا منڈی تک کئی ایک گندے نالے ہیں، جو سیوریج کے غلاظت والے پانی کے علاوہ ہزاروں فیکٹریوں سے خارج ہوتے انتہائی خطرناک کیمیکلز سے لبریز پانی کو دریا میں ڈال رہیں ہیں۔ مزید یہ کہ ان کی صفائی کے لیے کوئی پلانٹ کہیں نصب نہیں کیا گیا۔ آب پاشی کے معاملے میں اسی زہریلے پانی سے فصلیں سیراب کی جا رہی ہیں، تبھی کنارِ راوی اگنے وای فصلیں مضرِ صحت ہیں۔ ان حقائق کے پس منظر میں انور مسعود راوی کو آبِ آلودہ کا تالاب تصور کرتے ہیں۔

اب کہاں شفاف موجوں کے وہ دلکش لہریے
اب تو راوی آبِ آلودہ کا اک تالاب ہے (10)

کراچی کے سمندر میں جاتے نالے بہت سی فیکٹریوں کی آلودگی سمندر میں بہا کر لے جاتے ہیں۔

پانی کے ضیاع میں انسان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ہم اکثر کوئی نل کھولتے ہیں تو اسے مکمل طور پر بند نہیں کرتے۔ ہمیں چاہیے کہ پانی کا ضیاع نہ کریں اور جتنا ہو سکے بچت کریں۔ پاکستان کے بہت سے علاقے صاف پانی سے محروم ہیں۔ حتیٰ کہ پینے میں بھی آلودہ پانی نوش کرتے ہیں۔ سندھ کے بہت سے علاقوں میں یہی صورتِ حال ہے۔

ترقی پذیر ممالک میں دیہی آبادی کا نصف سے زیادہ حصہ قابل نوش پانی کی رسائی تک سے محروم ہے۔ صاف پانی کے حصول کے لیے طویل فاصلے طے کرنا پڑتے ہیں۔ دیہات میں آب رسانی کا انتظام نہ ہونے کے برابر ہے۔ دیہی آبادی نلکوں، ندیوں اور نہروں کا پانی پیتے ہیں۔ ایسے دستی نلکے جو گندے پانی کے نزدیک لگے ہیں، ان میں آلودہ پانی، بارشی پانی اور زراعت میں مستعمل پانی شامل ہو جاتا ہے۔ آلودہ پانی کے استعمال سے کئی طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں مثلاً ہیضہ، میعادی بخار، ملیریا، اسہال، جلدی خارش، یرقان وغیرہ۔ پانی اور خوراک میں فضلے کی آلودگی شامل ہونے کی وجہ سے ہیپا ٹائٹس پھیل رہا ہے۔ دیہات میں ایک طفیلی کیڑا حیوانوں کو اپنا مسکن بنا کر انڈے دیتا ہے۔ چند آبی گھونگھے بھی ان کا مسکن ہوتے ہیں اور یہ تالابوں، نہروں میں پلتے بڑھتے ہیں۔ اس کے منفی اثرات انسانوں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔

شہروں میں بھی نکاسی آب پر حد درجہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کثیر آبادی والے بڑے شہروں کو آبی ماحولیات کے شدید مسائل درپیش ہیں۔ ان کا سیوریج کا نظام درست ہونا انتہائی ضروری ہے ورنہ آبادی میں بیماریاں پھیلتی رہیں گی۔ آبی جانداروں سے صرفِ نظر، خشکی پر زندگی گزارنے والی مخلوق میں کوئی ایسی نہیں جو پانی کے بغیر زندہ رہ سکے۔ ہواؤں میں اُڑتے پرندے بھی آبی آلودگی کا شکار ہیں۔ کلچرڈ شہروں میں پرندوں کی آوازیں بھی اب خال خال سنائی دیتی ہیں۔ پرندے زہر آلود پانی کا شکار ہو کر بیمار اور موت کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ آبی ذخائر کے سوکھنے اور آبی آلودگی کے بڑھنے کے اثرات نہ صرف آبی مخلوق پر ہوئے بلکہ انسانوں، زمینی جانوروں اور پرندوں پر بھی مرتب ہوئے۔ تالابوں، جھیلوں وغیرہ پر سے پرندوں کی رونق جاتی رہی۔ کئی پرندے آبی ذخائر کے خشک ہونے کی وجہ سے راستہ تبدیل کر گئے اور بہت سے پرندے آلودہ پانی کے منفی اثرات سے ہجرت کر گئے۔

دالان میں سبزہ ہے نہ تالاب میں پانی
کیوں کوئی پرندہ مری دیوار پہ اترے(11)

ہم ہیں سوکھے ہوئے تالاب پہ بیٹھے ہوئے ہنس
جو تعلق کو نبھاتے ہوئے مر جاتے ہیں(12)

میری تنہائی بڑھاتے ہیں، چلے جاتے ہیں
ہنس تالاب پہ آتے ہیں چلے جاتے ہیں(13)

ہمارے ہاں صفائی کا دن اسی طرح منایا جاتا ہے جیسے مزدوروں کا دن کہ اس دن بھی مزدور سخت مزدوری کرتے ہیں جبکہ دیگر محکموں میں چھٹی ہوتی ہے۔اسی طرح ہمارے سماج میں صفائی کے حوالے سے ایک مخصوص دن منایا جاتا ہے، جس دن غلاظت کا ملبہ مختلف جگہوں سے تو اٹھا لیا جاتا ہے مگر وہ کہیں دور جا کر ڈھیر کر دیا جاتا ہے،اسی حقیقت کی طرف انور مسعود اشارہ کرتے ہیں۔

یہاں سے اٹھا کر غلاظت کا ملبہ
ذرا دور جا کر بٹھایا گیا ہے
بڑی محنتوں سے، بڑی کاوشوں سے
صفائی کا ہفتہ منایا گیا ہے(14)

پانی پاکی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے، مگر اس امر کے لیے پانی کا پاکیزہ ہونا بھی لازم ہے۔ آج کا ایک ماحولیاتی و معاشرتی مسئلہ آبی آلودگی ہے۔ندی نالوں سے لے کر دریاؤں اور سمندروں تک کو اس نے گھیر رکھا ہے، جس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔گھروں کا استعمال شدہ مواد، جس میں کوڑا، غسل خانے کا گندہ پانی، باورچی خانے کے ٹھوس اور مائع مادے نالوں، نہروں، دریاؤں اور سمندروں میں جانے دیا جاتا ہے۔فضا میں گیسوں کے شامل ہونے سے بارشیں زہر آلودہ ہو چکی ہیں، جس کے باعث جہاں زمینی مخلوق کو خطرہ ہے وہیں آبی مخلوق بھی اس کی زد میں ہے۔زہریلی بارشیں جب دریاؤں اور سمندروں پر ہوتی ہیں تو ان میں زہر شامل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے آبی مخلوق میں طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔صنعتی فضلہ نالوں، نہروں اور دریاؤں کے راستے سمندر میں گرتا ہے، جس سے آبی ذخائر غلاظت سے پُر ہو جاتے ہیں۔سمندر میں موجود کیمیائی مادوں کا

براہِ راست اثر مچھلیوں کے تولیدی غدود پر پڑتا ہے۔مچھلیوں کے لاروے ان کیمیائی مادوں کا خاصا اثر قبول کرتے ہیں۔تاہم مچھلیوں کی وہ اقسام جو سمندر کی گہری تہہ میں موجود ہوں،اس آلودگی کا نسبتاً کم اثر قبول کرتی ہیں۔سمندر کی سطح پر موجود مچھلیاں،بہتے تیل اور کیمیائی اجزا کو جلد اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں۔ایسی مچھلیاں شکار ہونے کے بعد انسانوں کے لیے باعثِ نقصان ہوتی ہیں۔پانی میں زہر کی ملاوٹ مچھلیوں کی موت کا سبب بھی ہے،جس سے ماہی گیروں کے روزگار پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ وزیر برائے بحری امور علی حیدر زیدی نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ آج جو مچھلی شکار کی جا رہی ہے اس کے پیٹ سے پلاسٹک برآمد ہو رہا ہے۔آبی آلودگی سے جہاں مچھلیوں کی جلد خراب ہوتی ہے وہیں ان کے دیگر اعضا بھی تخریب کا شکار ہوتے ہیں۔بقول شاور اسحاق:

آپ کی آلودگی کی خیر ہو
مچھلیوں کو تو نہ اندھا کیجیے(15)

کراچی کے ساحل پر عام طور پر کچرا پڑا نظر آتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کوڑا اٹھانے والی گاڑیاں کوڑا لا کر ساحل سمندر پر پھینک دیتی ہیں۔مچھیرے شکار کے لیے جاتے ہیں تو اس کے جال میں مچھلیوں کے بجائے پلاسٹک آتا ہے۔کچرا سمندر میں جاتا ہے،اس میں آبی مخلوق کے لیے کوئی خوراک نہیں ہوتی۔یہ معاملہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ساحل سے مزدور کچرا کنگھال کر ضرورت کی اشیا نکال لیتے ہیں اور باقی کچرے کو آگ لگا دیتے ہیں۔

یورپ میں بارٹرم کا کردار فطری مناظر کے دلدادہ کے طور پر بہت معروف ہے۔وہ زندگی بھر سیر و سیاحت میں محو رہا اور فطرت سے بھرپور تحریریں رقم کرتا رہا۔وہ امریکی مضافات کو اپنا موضوع بناتے ہوئے لکھتا ہے:

The verges and islets of the lagoon were elegantly embellished with flowering Plants and shrubs; the laughing coots with wings half spread were tripping Over the little coves, and hiding themselves in the tufts of grass; young broods of the painted summer teal, skimming the surface of the waters, and following the watchful parent unconscious of danger' were frequently surprised by the voracious trout; and he, in turn, as often by the subtle greedy alligator' Behold him rushing forth from the flags and reeds. His enormous body

swells' His plaited tail brandished high, floats upon the lake. The waters like a cataract descend from his opening jaws. Clouds of smoke issue from his dilated nostrils. The earth trembles with his thunder'(16)

پاکستان کا ساحل 1046 کلو میٹر طویل ہے۔اسی وجہ سے ساحل کو شدید ماحولیاتی آلودگی کا سامنا ہے۔ساحل کے کناروں پر صنعتی علاقے، بندرگاہیں اور میونسپل علاقے ہیں۔مزید یہ کہ اس علاقے میں مواصلاتی سرگرمیوں کی سطح پر روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ماحولیاتی سرگرمیاں زیادہ تر جہاز رانی کے شعبے میں ریکارڈ کی گئی ہیں،جس باعث آبی آلودگی کا دور دورہ ہے۔اس صورتِ حال میں نہ صرف ساحلی پانی آلودہ ہوگیا ہے بلکہ سمندری حیات کو سیسے کی موجودگی میں ہلاکتوں کا شدید خطرہ بھی لاحق ہوا ہے۔ایک تحقیق کے مطابق اگر انسان اس سمندری خوراک کو کھالیں تو ان کے خون میں سرخ ذرات کی کمی واقع ہوجائے گی۔نیز یہ کہ اس سے گردے متاثر ہوں گے اور یہ انسانی دماغ کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔

آبی آلودگی کی ایک وجہ سیاسی اجارہ داری بھی ہے۔عالمی بینک کے تعاون سے طے پانے والے سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی تو بھارت نے ابتدا سے ہی کرنا شروع کردی تھی، اب تو پاکستان کو بوند بوند سے محروم کرنے کی منصوبہ سازی ہو رہی ہے۔ پاکستان کو نہری نظام ورثے میں ملا تھا۔دورِ ایوب خان میں منگلا اور تربیلا ڈیم بنائے گئے،جس کے باعث زرعی،صنعتی اور معاشی کامیابیاں حاصل ہوئیں لیکن نہری نظام اور ڈیموں کی حفاظت نہ کرنے سے ملک تینوں میدانوں میں زوال کا شکار ہوا۔سندھ طاس معاہدے پر پاکستان کی طرف سے کم توجہی بھی اس پستی کا سبب بنی۔ دوسری طرف کالا باغ ڈیم کو متنازع بنا کر اربوں ڈالر سالانہ کا نقصان ہو رہا ہے۔ ڈیموں کے بن جانے سے پانی سے بجلی کی پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ پانی کی کمیابی کے سنگین مسئلے کو قابو کیا جاسکتا ہے۔1950ء میں ستلج کے سوکھنے سے ہزاروں مچھیرے بے روزگار ہو گئے،گویا ان کا معاشی قتل ہوا۔بھارت سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پاکستان کو آبی ذخائر بنانے سے روک رہا ہے۔ایک اندازے کے مطابق 2025ء تک پاکستان کو خشک سالی کے شکار ہونے کا خدشہ ہے۔ پاکستان میں بھارت کی طرف سے آتے دریاؤں میں بھارت راج مسلط ہے۔دریاؤں کے سوتے کشمیر سے نکلتے ہیں،جس پر بھارت کا قبضہ ہے اور اس پر اس نے پُل بنا کر اسے بند کردیا

ہے۔آج 73 سال گزرنے کے بعد بھی اس کا فیصلہ نہیں ہو پایا گویا جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے۔ یوں ستلج و بیاس خشک کر دیے گئے۔طبقۂ شعرا نے اس معاملے کو بھی پیشِ نظر رکھا اور صدائے احتجاج بلند کی۔

اشکوں سے بھر رہا ہوں میں اپنی دریدہ مشک
اتنے برس کے بعد بھی دریا کسی کا ہے (17)

پانی کی جگہ ہم نے سدا زہر پیا ہے
مر جائے گا ہم جس کو بغل گیر کریں گے (18)

پاکستان میں پانی تو وافر مقدار میں موجود ہے، مگر اس کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔کروڑوں کی آبادی آلودہ پانی استعمال کرنے پر مجبور ہے۔ پانی کی موجودگی کے باوجود بھی ہمیں مستقبل میں اس کی کمی کے حل کے بارے فکر کرنا ہوگی۔موسمی صورتِ حال کو دیکھیے تو گرمی کا عرصہ بڑھتا چلا جا رہا ہے، جس باعث گلیشئرز پگھلتے جا رہے ہیں۔اگرچہ اس سے آبی ذخائر میں اضافہ ہوتا ہے، مگر ان گلیشئرز کے تیزی سے پگھلنے کے باعث پانی کی کمی واقع ہونا یقینی ہے۔ اگر گلیشئرز پگھل گئے تو ہمارے پاس ٹھوس شکل میں پانی موجود نہیں ہوگا اور دریاؤں میں کمی آ جائے گی۔دوسرا یہ کہ ہمارے ملک میں ڈیموں کی کمی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں بھی پانی محفوظ نہیں رہ سکتا (جب تک نئے ڈیم نہ بنا لیے جائیں)۔ریاست کو عوام اور ملک کی خاطر سیاست سے بالا تر ہو کر نئے ڈیموں کی تشکیل پر توجہ دینا ہوگی، ورنہ ریگستانی منظر بنتا نظر آ رہا ہے۔

سمندروں میں نہ صرف خشکی کے راستے سے آلودگی شامل ہو رہی ہے، بلکہ سمندری جہاز اس مسئلے کو بڑھاوا دینے میں پیش پیش ہیں۔جہازوں میں موجود سیلنڈر، تیل، گیس اور جنگی ساز و سامان پانی کو زہریلا اور آبی مخلوق کو بیمار کرتے ہیں، مزید یہ کہ آبی جانور اس کے منفی اثرات سے موت کی آغوش میں جا پہنچتے ہیں۔جہاز میں موجود انسان بھی اس کا شکار بنتے ہیں۔

بعض اوقات بحری جہازوں سے سمندر میں تیل بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ پانی میں تیل کے بہاؤ سے بالائی آبی سطح پر ایک رکاوٹ بن جاتی ہے، جو پانی میں آکسیجن کے خلیوں کو روک دیتی ہے، جس سے آبی جانوروں اور آبی پودوں کے لیے بنیادی گیس آکسیجن میں کمی واقع ہو جاتی

ہے۔کئی پرندے اس تیل کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔سال 2003ء میں یونانی تیل بردار جہاز'تسمان سپرٹ'تکنیکی خرابی کے باعث کراچی کے ساحل پر آتے ہی دو حصوں میں ٹوٹ گیا تھا، جس سے ساحلی ماحول آلودہ ہوا اور سمندری حیات بُری طرح متاثر ہوئی۔آبی جہاز جہاں آبی مخلوق کے لیے پُرخطر ہوتے ہیں، وہیں انسانوں کے لیے بھی نقصان دہ ہیں۔افضال سید کی نثری نظم'ایک اور دن زندہ رہ جاتا'انھی حادثات کا اظہاریہ ہے۔

بہت دور ایک ساحل پر
اسکریپ سے بنے ہوئے ایک جہاز کا
بوائلر پھٹ جاتا ہے
سیکنڈ انجنئیر اسی دن مر جاتا ہے
تھرڈ انجنئیر
دوسرے دن
اور میں
فورتھ انجنئیر
تیسرے دن مر جاتا ہوں
سیکنڈ ہینڈ جہازوں پر
فرسٹ انجنئیر نہیں ہوتے
ورنہ
میں ایک اور دن زندہ رہ جاتا(19)

ان حالات کے پیشِ نظر عوام اور سرکار دونوں کو اپنے اپنے طور پر ماحولیاتی صفائی کا خیال رکھنا ہو گا۔معاشرے کے باسیوں کو چاہیے کہ اپنے اردگرد کے آبی ماحول کو صاف ستھرا رکھیں۔گلی محلوں کی نالیوں میں غلاظت پھینکنے سے اجتناب برتیں۔اسی طرح نہروں میں کوڑا پھینکنے سے مکمل گریز کیا جائے۔فیکٹریوں کو خام مال،اور استعمال شدہ چیزوں کے ٹھکانے لگانے کے لیے دریاؤں کے علاوہ کوئی راستہ نکالنا ہو گا۔اگر یہ ماحولیاتی نظام ایسے ہی چلتا رہا تو زمین،آبی ذخائر اور جانداروں کے ضائع ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہو گی۔

حوالہ جات

1۔ محمد طاہر القادی، ڈاکٹر، شیخ الاسلام، مترجم عرفان القرآن، (لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، جنوری 2012ء)، اشاعت سوم، سورہ البقرہ، آیت 164ص:46

2۔ علی اکبر عباس، برآبِ نیل، (لاہور: مکتبہ فکر،1978ء) ص:138

3۔ احمد فراز، نابینا شہر میں آئینہ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،2006ء) ص:136

4۔ احمد فراز، غزل بہانہ کروں (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،2006ء) ص:43

5. سعید الظفر صدیقی، زمین (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز،2012ء) ص:33

6. محمد طاہر القادی، عرفان القرآن، ایضاً، سورہ الرعد، آیت 17ص:429

7. احمد فراز، نابینا شہر میں آئینہ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،2006ء) ص:109

8. انور مسعود، میلی میلی دھوپ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،2010ء) ص:104

9. انور مسعود، میلی میلی دھوپ، ایضاً ص:46

10۔ ایضاً ص:86

11. افضل خان، اک عمر کی مہلت (فیصل آباد: نزول پبلی کیشنز،2013ء) ص:18

12. عباس تابش، عشق آباد (لاہور: الحمد پبلی کیشنز،2011ء) ص:477

13. ایضاً ص:617

14. انور مسعود، میلی میلی دھوپ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،2010ء) ص:14

15. شاور اسحاق، مدفون آدمی کی ڈائری، (لاہور: کولاج پبلی کیشنز،2001) ص:37

16 The Ecocriticism Reader ,Cheryll Glotfelty and Harold Fromm University of Georgia :(AthensLandmark in literary Ecology 186:P(1996,press

17. عباس تابش، عشق آباد (لاہور: الحمد پبلی کیشنز،2011ء) ص:477

18. بشیر بدر، اکائی، (علی گڑھ: لیتھیو پرنٹرس،1969) ص20

19۔ افضال احمد سید، مٹی کی کان (کراچی: سٹی پریس بک شاپ،2009ء) ص:68

اُردو شاعری کا ماحولیاتی مطالعہ

(موجودہ صورتِ حال اور امکانات)

ادب کے حوالے سے عموماً یہ تعریف کی جاتی ہے کہ ادب سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ ادب میں تبدیلی آتی ہے۔ بالکل اسی طرح ماحولیات کا رجحان ایک نیا رجحان ہے، جس نے شعر و ادب پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ماحولیاتی تنقید نسبتاً ایک نیا تنقیدی نظریہ ہے۔ تیزی سے بدلتے موسمیاتی مناظر، فطرت کی جگہ ثقافت، قدرت کی بجائے صنعت اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی کے سماج پر بڑھتے اثرات کا بیانیہ ادب و شعر کے ذریعے ہوا۔ ماحولیاتی بیانیے نے گزشتہ چند عرصے میں بہت تیزی سے ادب میں جگہ بنائی ہے۔ نئے لکھنے والوں نے ماحولیاتی ادب کی طرف خاصی توجہ مبذول کی ہے۔

پیڑ، پرندے فطری ماحول کے بنیادی عناصر ہیں، جو ثقافتی ذہن کی نذر ہوتے جا رہے ہیں۔ فطری ماحول کی خوبصورتی پرندوں کی آزادی اور ان کے چہچہانے سے ممکن ہے، جن کا مسکن درختوں پہ بنے گھونسلے ہوتے ہیں۔ گویا درختوں کا ہونا ماحول کی بہتری کے لیے لازم ہے۔ فطرت سے گہرا تعلق رکھنے والے شاعر نذیر قیصر پیڑوں سے گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں درخت انسانوں کی طرح چلتے پھرتے اور بات چیت کرتے پائے جاتے ہیں۔ نذیر قیصر کے ہاں پیڑ پودوں کا وجود بے معنی نہیں، بلکہ ان میں کئی رموز پوشیدہ ہیں۔ اسی لیے وہ فطرت کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے والے کو لکھا پڑھا گردانتے ہیں۔

درخت جیسے مرے پاس چل کے آتے ہوئے
اور ان درختوں کو میں نام سے بلاتا ہوا(1)

ہر برگ و گل میں لکھی ہوئی ہیں عبارتیں
ہر آدمی کو لکھا پڑھا ہونا چاہیے(2)

فطرت سے نذیر قیصر کی محبت دیدنی ہے۔فطرت مخالف رویہ انھیں ناگوار گزرتا ہے، جس کے خلاف وہ صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔

سائنس وٹیکنالوجی کی بڑھتی رفتار نے وہ آلات ایجاد کیے، جو احساسِ مروت کے ساتھ ساتھ اجتماعی سطح پر جانداروں کو کچلنے کے موجب ہیں۔ہمارے ہاں عید پہ بچہ بچہ ہاتھ میں نقلی بندوق لیے گھومتا نظر آتا ہے، جسے سماج کھلونا سمجھتا ہے، جبکہ اس کا بُرا اثر ذہن انسانی پر مرتب ہوتا ہے۔انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس میدان میں قدم رکھتا ہے، اس میں آگے بڑھنا چاہتا ہے۔لہذا عوام اور سرکار دونوں کو اس حوالے سے تدارک کرنا ضروری ہے، تاکہ ہم دہشت گردانہ رویے سے حتی المقدور بچ سکیں۔نذیر قیصر ایسے ہی سماجی نظام کی نفی کرتے ہوئے فطری نظام کے غلبے کی بات کرتے ہیں۔

مجھے بندوق پکڑائی گئی ہے
میں بچہ ہوں کھلونا چاہتا ہوں
میں سارے ٹینک اور سارے میزائل
سمندر میں ڈبونا چاہتا ہوں(3)

رشید آفرین نے اسی بات کو اندازِ دگر میں بیان کیا ہے۔انھوں نے انسان کی بُری صفت ظلوماً جھولاً کی طرف اشارہ کیا ہے اور بشر مرکزیت کو نشانہ بنایا ہے۔امیر طبقہ اور پہلی دنیا کے مما لک نے جس طرح بارودی دھماکوں کے ذریعے تباہ کاریاں کیں اور مقدس زمین کو دارالفساد بنا دیا، تاریخ اس کی شاہد ہے۔

خیالِ خام ہے ان سے توقع خیر کی رکھنا
اگائے ہیں بم و بارود کے پودے زمینوں میں(4)

عمیر نجمی پرندوں کو کھلی فضا میں اڑتا دیکھنا چاہتے ہیں۔وہ پرندوں کو قید کرنے کے حق میں ہرگز نہیں اور اس کے برخلاف سوچنے یا عمل کرنے والوں کو نفسیاتی مسائل کا شکار سمجھتے ہیں۔

پرندے قید ہیں، تم چہچہاہٹ چاہتے ہو
تمھیں تو اچھا خاصا نفسیاتی مسئلہ ہے(5)

پرندوں کا وجود، مشینوں کی چیخ پکار سے دور فطری ماحول کے منظر کا حصہ ہے۔شہروں کی زہر آلودہ فضا ان کے لیے ناسازگار ہے۔ہریالی اور تالاب وغیرہ پر آج بھی پرندوں کی رونق ہوتی

ہے، جبکہ مصنوعی ماحول ان کے لیے نقصان دہ ہے، تبھی ایسی جگہیں ان سے محروم ہیں۔

تمدن آفریں ذہن نے نئے طرز کی ہاؤسنگ سکیموں پر اپنی توجہ مرکوز کر رکھی ہے۔ ملتان کے پچیس ایکڑ رقبے پر مشتمل باغات کو کاٹ کر ڈیفینس ہاؤسنگ سوسائٹی کے قیام کے لیے منظور کیا گیا ہے۔

مارچ 2021ء سے ملتان کے 1600 ایکڑ رقبے پر مشتمل آم کے باغات کی تیزی سے کٹائی جاری ہے۔ اس زمین کو ڈیفینس ہاؤسنگ سوسائٹی کے تحت قدرتی خزانے سے محروم کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح شہروں میں مضافات ضم ہو رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ملتان میں ہیکٹروں کے حساب سے ایسا رقبہ ہے، جو یا تو کالونیوں کی نذر ہو چکا ہے یا کالونیوں کے لیے منظور کیا جا رہا ہے اور یوں مستقبل قریب میں بڑے پیمانے پر دیہات کے خدوخال کا خاتمہ ہوتا نظر آ رہا ہے۔ یہی حال تمام بڑے شہروں کے مضافات کا ہے۔ مقامی شعرا نے مضافات سے متعلقہ موضوعات کو بڑی چستی سے اپنی شاعری میں برتا ہے۔

نئی ہاؤسنگ سکیم ماحول کو تباہ کرنے میں پیش پیش ہے۔ جس تیزی سے نئے مکانات کی تعمیر جاری ہے، اسی تیزی سے درختوں کی کٹائی جاری ہے، جس پر ادیب طبقہ ناخوش نظر آتا ہے۔ وہ ایسی صورت حال سے سے جہاں ہمیں آگاہ کرتا ہے، وہیں اس اجاڑ پر روتا بھی ہے۔

اس شہر میں بہت سے مضافات ضم ہوئے
کالونیاں بنا لی ہیں، باغات کاٹ کر(6)

پیڑ کٹا ہے، ہم واویلہ کرتے ہیں
آؤ پرندو! مل کر گریہ کرتے ہیں(7)

دیکھ معمار پرندے بھی رہیں، گھر بھی بنے
نقشہ ایسا ہو کوئی پیڑ گرانا نہ پڑے(8)

یہ کارگزاریاں انسان کے ہاتھوں وقوع پذیر ہیں۔ اسی لیے فرانسس بیکن فطرت مخالف انسانی رویے کا اظہار اور بشر مرکزیت پر چوٹ لگاتے ہوئے کہتا ہے:

Man, if we look to final causes, may be regarded as the centre of the world; inasmuch that if man were taken away from the world, the rest would seem to be all astray, without aim or purpose.(9)

گزشتہ دو سالوں سے لکھا جانے والا ادب کرونائی اثرات سے حد درجہ متاثر ہوا۔اس عرصے میں ادبی منظرنامے کا حصہ بنتی اردو شاعری کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عموماً کسی نظم یا غزل میں کوئی لائن یا شعر کرونائی صورتِ حال کا بیانیہ ہوتا ہے۔علاوہ ازیں کرونا پر باقاعدہ اُردو نظمیں اور غزلیں بھی لکھی گئی ہیں۔اگر کرونائی شاعری کو یکجا کیا جائے تو کئی مجموعے مرتب ہو سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سے رسالوں اور جریدوں کے کرونائی ادب نمبر بھی شائع ہوئے، جن میں پاکستانی زبانوں میں لکھے گئے کرونائی حوالے سے ادب وشاعری کو شامل کیا گیا ہے۔

اُردو شاعری کا مزاج عاشقانہ ہے،جس کے بنیادی عناصر ہجر و وصال کے جذبات ہیں۔ شعر و ادب کا حسن یہ ہے کہ یہ خارجی ماحول کو انسان کی داخلی کیفیات میں ضم کر دیتا ہے اور خارجی عوامل، داخلی جذبات بن کر شعری صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔شاعر حساس طبع ہوتا ہے اور ایک شے کا مشاہدہ کئی پہلوؤں سے کرتا ہے۔اس کا مزاج عام عوام سے الگ ہوتا ہے۔وہ معاشرے کا سوچتا ذہن ہوتا ہے۔ذرا سی تکلیف اس پر یادِ ماضی کے ساتھ دل پر قیامت بن کر ٹوٹتی ہے۔اسی صورت حال کا ہمیں کرونائی دور میں سامنا ہے۔

کرونا وبا کے انسان پر اثرات سے شعرا نے کئی ایک پہلو استنباط کیے۔شاعری میں کرونائی اثرات کا اظہار رومان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے،جس میں جذبۂ محبت اہم ہے۔اس جذبے میں عاشق وصل کا طالب ہوتا ہے اور ہجر سے خوف کھاتا ہے۔کرونا نے انسانوں کے درمیان فاصلے بڑھا دیے ہیں۔کرونا کے باعث اموات کے سلسلے میں تیزی آئی ہے۔ یہ صورتِ حال ایک عاشق کے لیے ناقابل قبول ہے۔یہی سبب ہے کہ کرونائی شاعری میں ہجر اور موت کا خوف جا بجا نظر آتا ہے۔

موت اردو شاعری کا ایک اہم موضوع رہا ہے، جو انداز بدل بدل کے جدید شاعری میں برتا گیا،مگر کرونا کی وجہ سے شرح اموات میں جو تیزی رونما ہوئی،اس نے شاعروں کی توجہ مزید اس طرف مبذول کروائی ہے۔رحمان فارس کی ایک غزل اسی تناظر میں ہے،جس کے دو اشعار

درج کیے گئے ہیں۔

کب تک میں کروں زخم شمار، ایک کے بعد ایک
مرتے ہی چلے جاتے ہیں یار، ایک کے بعد ایک
کیا قاتل بے رحم ہے یہ مرگِ مسلسل
کرتی ہی چلی جاتی ہے وار، ایک کے بعد ایک(10)

کرونا کی وبا طاعون کے طرز کی وبا ہے، جو کہ ایک دوسرے کو چھونے سے پھیلتی ہے، گویا اس کا تعلق جسم سے ہے، مگر کرونا کے منفی اثرات انسانی سماج کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات اور روحِ انسانی پر بھی مرتب ہوئے ہیں۔

جس طرح فطری نظام میں توازن کے بگڑنے سے، ماحول میں خرابی در آتی ہے، اسی طرح جسمانی نظام میں توازن کے بگڑ جانے سے کئی طرح کی بیماریں لاحق ہوتی ہیں۔ کرونا کے حوالے سے روس کی ایک تحقیق کے مطابق جسم میں خون کے قدرتی طور پر پتلا ہونے کے مخالف جب خون جم جاتا ہے، تو یہ وبا جنم لیتی اور جسم کے کسی عضو پر اثر انداز ہوتی ہے۔اس وبا سے بچنے کا طریقہ سماجی فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے احتیاط کرنا ہے۔ جیسے ہم بُرے لوگوں سے دور رہتے ہیں، ویسے ہی مذکورہ وبائی عرصے میں نیک لوگوں سے بھی بہ مجبوری دوری اختیار کرنا لازم ہے۔ یہ ہجوم والے مقامات سے دوری اور تنہائی کو اختیار کرنے کا ایک موقع بھی ہے، یہ تنہائی میں سوچنے کا وقت اور ذات کے احتساب کا موقع فراہم کرتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ کام کاج میں کمی سے قوتِ مدافعت محفوظ رہتی ہے۔ پروفیسر جلیل عالی سماجی فاصلاتی بُعد اور نظامِ زندگی کی رکاوٹ کو اپنی نظم،،بس کرونا،، میں یوں بیان کرتے ہیں۔

بس کرونا!
ذرا سے وائرس نے
دوڑ لگوا دی جہاں بھر کی
عزیزوں، دوستوں کے درمیاں بھی
فاصلے دیوار کر ڈالے
دنوں میں شہر بن، گھر غار کر ڈالے

جہازوں کو زمیں بستہ کیا ایسے
پرندے پر کٹے جیسے

ٹرینیں جام، صبحیں شام کر ڈالیں
لگائے دفتروں، تعلیم گاہوں، معبدوں پر خوف کے تالے
بھرے عشرت کدے، شاپنگ پلازے کر دیے ویران
اور سنسان سارے کوچہ و بازار کر ڈالے
دلوں پر دہشتوں کے کیسے کاری وار کر ڈالے
ہر اک احساس پردے پر نمایاں موت کے آثار کر ڈالے
بدل ڈالے بیانی زوایے، سب فلسفے بیکار کر ڈالے (11)

مابعد نو آبادیاتی عہد میں مادیت پرستی کی سمت مزید میلان بڑھا اور رزق کمانے کے لیے دیگر ممالک میں جانے کا رجحان بڑھا۔ بہت سے خاندانوں کو روزگار ملا۔کئی خاندان تو بیرون ممالک میں منتقل ہو گئے اور وہیں رشتے استوار کیے۔ کرونا کی وبا کے پوری دنیا میں پھیل جانے سے کاروبار بند ہوئے اور روزگار کے مواقع کم ہوئے ہیں۔ لاکھوں ملازمین کو ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ملازموں کی کثیر تعداد پردیس میں پھنس کر رہ گئی۔ یوں خونی رشتے بھی ایک دوجے سے فاصلاتی بعد کا شکار ہوئے۔

دنیا بھر میں کرونا کی شرح میں زیادتی صنعتی مقامات پر نمایاں ہے۔ دیہات میں اس وبا کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کرونا کے باعث بہت سے لوگ جو بڑے شہروں میں ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں رہائش اختیار کیے ہوئے تھے، لاک ڈاؤن کے سبب اپنے گھروں کو لوٹے۔ فاصلاتی بعد کے علاوہ اس وائرس کا بڑا اثر یہ بھی ہوا۔ جوں جوں فلائٹس کھلتی گئیں، بیرون ملک ملازم پیشہ لوگوں کو ان کے اپنے ملک روانہ کر دیا گیا۔لہٰذا کثیر تعداد میں لوگوں نے اپنے ممالک اور بڑے شہروں میں مقیم ملازمین نے اپنے شہروں اور دیہاتوں کا رخ کیا۔

مذکورہ عالمی وبا کا اثر جہاں اردو غزل پر ہوا، وہیں اردو نظم بھی اس سے نہ بچ سکی۔ آزاد نظم ہو یا نثری نظم، قطعہ نما ہو یا فردیات، ہر صنف میں اس کا اظہار ہوا ہے۔ اس حوالے سے افتخار عارف،

نسیم سحر، رحمان فارس، علینا عترت، عزیز نبیل، سیف بابر، جمال فہمی، ارشاد احمد وغیرہ شعرا کے اشعار ادبی منظر نامے پر رونما ہوئے۔ تازہ نظموں میں معین نظامی کی'' گندم کی نیک خواہشات''، جلیل عالی کی'' بس کرونا''، حمیدہ شاہین کی'' جانے کیا دوڑ تھی''، ہاشم علی ہمدم کی'' کرونا سے نہیں ڈرنا''، ناطق علی پوری کی'' دل کی آواز'' تہذیب حافی کی'' کرونا سے لڑتے ہوئے لوگوں کے نام''، اور'' گھروں میں رہو'' کے علاوہ طاہرہ رائے کی'' وبا اور محبت'' نظمیں قابل ذکر ہیں۔

ایسے حالات میں جب لوگ گھروں میں قید ہو کر رہ گئے ہیں، فطرت انسان کو باہر کی دنیا کی سیر کی دعوت دیتی ہے۔ معین نظامی کی نظم'' گندم کی نیک خواہشات'' میں ایک تمثیل کے ذریعے اسے واضح کیا گیا ہے، جہاں گندم کی کھڑی فصل کٹائی کے لیے انسان کی آمد کی منتظر ہے۔ یہ فصل زبانِ حال سے کرونائی خوف و دہشت اور گندم کی فصلوں میں تا حدِ نظر ویرانی کا ذکر یوں کرتی ہے۔

خدا جانے آدم کے بیٹے کہاں ہیں
انھیں تو پہنچ جایا کرتی تھی
میری سنہری جوانی کی خوشبو
مری بالیوں کی چمک
اتنے دن ہو گئے ہیں
میں یہ بوجھ
کب تک اٹھائے رہوں گی
مجھے تو دکھائی نہیں دے رہا ہے
کوئی آدمی زادِ حدِّ نظر تک
نہ خواہش کے پتھر پہ رگڑی ہوئی
کوئی رقصاں درانتی
خدا خیر رکھے
مجھے لگ رہا ہے کہ وہ آج کل
یا شکم سیر ہے
یا کسی خوف میں مبتلا ہے(12)

نسیم سحر کرونا سے خوف کھانے کی بجائے اس سے مقابلہ کرنے پر اکساتے ہیں اور ڈرنے کی بجائے کرونا سے لڑنے کی تلقین کرتے ہیں۔

مقابلہ ہے ہمارا وبائے مہلک سے
سو جیتے جی ہمیں مرنا نہیں ہے، لڑنا ہے(13)

کرونا ایسی وبا پہلی بار نہیں پھیلی، بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ اس سے قبل بھی ایسی وبائیں آتی رہی ہیں اور لوگوں کو آزماتی رہی ہیں۔ ناول کرونا کا دور بھی باقی وبائی عرصوں کی طرح گزر جائے گا مگر اس سے حفاظت کے لیے احتیاط کا دامن لازماً تھام رکھنا ہے۔ پروفیسر ہاشم علی ہمدم اپنی نظم ''کرونا سے نہیں ڈرنا'' میں یوں خامہ فرسا ہیں۔

زمانے نے کرونا کو کچل کر آگے جانا ہے
سو پیغامِ درِ تہذیبِ نو کو عام کرنا ہے
سماجی فاصلہ رکھنا، فلاحی کام کرنا ہے
قرنطینہ میں رہنا ہے، کرونا سے نہیں ڈرنا
اکیلے پن کو سہنا ہے، کرونا سے نہیں ڈرنا(14)

کرونا کی وجہ سے عوام نے ایک مرتبہ پھر تاریخ دہراتے ہوئے تمام طاغوتی طاقتوں کو چھوڑ کر اپنا رُخ حقیقیتِ اصلیہ کی طرف پھیرا اور اسی عظیم قوت سے مدد طلب کی۔

ماحولیاتی تنقید ہمیں بتاتی ہے کہ شاعری انسان کے لیے توانائی کا ذریعہ ہے، جیسے زمین کے لیے سورج ۔ یہ انسان کے لیے آکسیجن کی طرح ہیں۔ ولیم روئیکرٹ اپنے مضمون Literature and Ecology-an experiment in eco-criticism میں اسی بات کو شاعرانہ انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

A poem is stored energy, a formal turbulence, a living thing, a swirl in
the flow.
Poems are part of the energy pathways which sustain life.
Poems are a verbal equivalent of fossil fuel(stored energy)(
but they are a
renewable source of energy, coming, as they do, from those

ever generative twin matrices, language and imagination.15

عموماً نئے شاعروں کا فکری و فنی سفر ابتدائی سطح کا ہوتا ہے، جن کے موضوعات میں نہ وسعت ہوتی ہے اور نہ ہی نیا پہلو مگر اکیسویں صدی میں شعر کہنے والوں کی خاصی تعداد کے شعری سرمایے کا جائزہ لیں تو قاری کی عقل یہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ نیا شاعر قدیم شعرا کی نسبت بہت تیزی سے اپنا شعری سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کے ہاں شعری کرافٹ کے ساتھ ساتھ موضوعات میں رنگا رنگی ہے۔ مختلف النوع موضوعات اس کے پیشِ نظر ہیں۔ سماج میں بڑھتے حادثات جو ماحول میں خرابی کا سبب ہیں، آج کے شاعر کی زندگی کا حصہ ہیں۔ بازاروں کا ہجوم، ٹریفک کی زیادتی، گاڑیوں کے ہارن، عوام کی دھکم پیل اور ان اسباب کے نتیجے میں رونما ہونے والے حادثات سے آج کا لکھاری واقف اور حد درجہ متاثر ہے۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ نئی شاعری میں ماحولیاتی حوالوں کی طرف خاصا رجحان بڑھ رہا ہے۔ موسمیاتی تبدیلی اور صنعتی تخریب کاری سے ہر شخص متاثر ہے۔ ثقافت نے فطرت کو روند ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان حالات پر سیاسی رہنماؤں کو مل بیٹھ کر سوچنا ہو گا، تاکہ ماحول، معاشرے، معاش اور ریاستی نظام کو محفوظ رکھا جا سکے۔ علاوہ ازیں ماحولیات کو تخریب کی طرف دھکیلنے والے عناصر پر پابندی عائد کرنا ہو گی۔ خیبر پختون خواہ میں پی ٹی آئی نے پانچ سالوں میں ایک ارب درخت لگائے۔ اس قسم کی مہمات پر مزید توجہ دینا چاہیے۔ اشیاے خورد و نوش کے معاملے میں احتیاط برتنا ہو گی اور کاروبار کو صرف منافع کے لیے اپنانے کے بجائے، عوام کی بہتری کے اصولوں پر رائج کرنا لازمی ہے۔ ایسے اصولوں پر عمل کر کے ہم ایک صحت مند معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

حوالہ جات

1. نذیر قیصر،مشمولہ:الحمرا،شاہد علی خان،جلد:21،شمارہ:5،مئی 2021،ص:138
2. ایضاً
3. ایضاً
4. ایضاً،ص:145
5. عمیر نجمی،ایک،ملتان طاہر رانا پبلی کیشنز،2021،ص16
6. خالد محبوب،روشنی سیمیٹی ہے،ملتان طاہر رانا پبلی کیشنز،2021،ص:145
7. اختر شمار،مشمولہ:الحمرا،ایضاً،ص:137
8. عمیر نجمی،ایک،ملتان طاہر رانا پبلی کیشنز،2021،ص:37
9. Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reade Landmarks in literary Ecology, P: 21
10. رحمان فارس، مشمولہ: ماہنامہ نیرنگِ خیال، سلطان رشک، راولپنڈی، جلد: 96، شمارہ: 5، مئی 2021، ص:44
11. ذوالفقار دانش،ڈاکٹر،مشمولہ:ذوق، ارشد ملک،اپریل 2021،ص:86
12. ایضاً،ص:85
13. ایضاً،ص:87
14. ایضاً، ص:92
15. Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader Landmarks in literary Ecology, P: 21

کتابیات

1. انور مسعود، میلی میلی دھوپ، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2010)
2. اقبال آفاقی، ڈاکٹر، مابعد جدیدیت (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2016)
3. احمد فراز، تنہا تنہا (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2016)
4. اشرف یوسفی، خواب تہ آب (فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2018)
5. احمد فراز، غزل بہانہ کروں (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2006)
6. احمد فراز، اے عشق جنوں پیشہ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2007)
7. احمد فراز، نابینا شہر میں آئینہ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2006)
8. احمد فراز، خوابِ گل پریشاں ہے (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2006)
9. افضال احمد سید، مٹی کی کان (کراچی: سٹی پریس بک شاپ، 2009)
10. احمد مشتاق، کلیات (الہٰ آباد: شب خون کتاب گھر، 2004)
11. انور شعور، کلیاتِ انور شعور (کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز 2015)
12. افضل گوہر، رمق (لاہور: ساگر پبلشرز، 2008)
13. افضل گوہر، اچانک (راولپنڈی: حرف اکادمی، 2001)
14. افضل گوہر، ہجوم (راولپنڈی: حرف اکادی، 2006)
15. افضل گوہر، خوش نما (لاہور: ساگر پبلی کیشنز، 2010)
16. افضل خان، اک عمر کی مہلت (فیصل آباد: نزول پبلی کیشنز، 2013)
17. ادریس بابر، یونہی (لاہور: کاروان بک ہاؤس، 2012)
18. بلقیس ظفیر الحسن، شعلوں کے درمیاں (دہلی، معیار پبلی کیشنز، 2004)
19. جاں نثار اختر، کلیات (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2003)
20. حسن جاوید، خیمۂ حرف (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2001)

21. خوشی محمد ناظر، چودھری ،نغمہ فردوس (لائل پور: انجمن اربابِ ذوق،1937)
22. رئیس فروغ، رات بہت ہوا چلی
23. سلیم کوثر، یہ چراغ ہے تو جلا رہے (کراچی: شائستہ پبلی کیشنز،1991)
24. سعید دوشی، زمیں تخلیق کرنی ہے (راولپنڈی: ہم قلم پبلی کیشنز،2007)
25. سعید الظفر صدیقی، زمین (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز،2012)
26. شہاب صفدر، لہریں لیتی پیاس (ڈیرہ اسماعیل خان: صابر کتاب گھر،2000)
27. شہزاد احمد، ادھ کھلا دریچہ (لاہور: علی برادرز،1977)
28. شکیب جلالی، روشنی اے روشنی (لاہور: ماورا پبلشرز،2002)
29. شاہد ذکی، سفال میں آگ (فیصل آباد: ہم خیال پبلشرز،2006)
30. شفیع حیدر صدیقی دانش، کلیاتِ دانش (کراچی: دانش کدہ،2008)
31. شاکر کنڈان، ریاضت (سرگودھا: عقیدت،2011)
32. ضمیر جعفری، سید، من مندری (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،1996)
33. ضمیر جعفری، سید، من مندری (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،1996)
34. علی اکبر عباس، برآبِ نیل (لاہور: مکتبہ فکر،1978)
35. عباس تابش، عشق آباد (لاہور: الحمد پبلی کیشنز،2011)
36. ممتاز حسین، لیفٹیننٹ کرنل، ماحولیاتی آلودگی (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ،1995)
37. محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال اردو، اشاعت دوم (لاہور: سروسز بک کلب، جنوری 1975)
38. محمد اسلم، مولوی، آئیے شام ہونے والی ہے)لاہور: معروف پبلشرز،2007)
39. ماجد صدیقی، ماجد نشان (اسلام آباد: پورب اکادمی،2008)
40. مجید امجد، کلیاتِ مجید امجد، مرتبہ خواجہ محمد زکریا (لاہور: الحمد پبلی کیشنز،2010)
41. ماجد صدیقی، ماجد نشان (اسلام آباد: پورب اکادمی،2008)
42. نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر (دہلی: کتاب دنیا،2003)
43. نسترن احسن فتیحی، ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اردو افسانہ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ 2016)
44. ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، ''حرفِ اول''مشمولہ ماحولیاتی تنقید: نظریہ و عمل، مرتبہ ڈاکٹر اورنگ

زیب نیازی (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 2019)

45. یوسف خالد، ہوا کو بات کرنے دیں (لاہور: عکس پبلی کیشنز، 2012)

46. Cheryll Glotfelty and Harold Fromm, The Ecocriticism Reader Landmarks in literary Ecology (Athens: university of Georgia, 1996)

47. Peter Barry, Beginning Theory: An introduction to literary and cultural theory, second edition, 2002 (Manchester: university of Manchester)

رسائل و جرائد:

☆ نیرنگِ خیال، لاہور، راولپنڈی، شمارہ:5

☆ الحمرا، لاہور، شمارہ:5

نت بدلتے ہوئے اور رفتہ و پیوستہ نظریات کی جگہ لیتے نئے نظریات میں سے ایک نظریہ Ecocriticism یعنی ماحولیاتی تنقید ہے۔ نئے عہد میں ایک طرف تو سائنس کی ترقی نے انسانی زندگی کے لئے سہولیات مہیا کیں اور عیش و عشرت کا سامان کیا، جب کہ دوسری طرف مادہ پرستی، جارفیت پسندی اور انسانی ہوس نے ارد گرد کے ماحول کو بری طرح متاثر کیا۔ انسانی ترقی کے نام پر کارخانے لگائے گئے: جس کے نتیجے میں فضا میں زہر گھلنے لگا۔ زمین اور شور کی آلودگی بڑھنے لگی۔ مختلف کیمیائی مادوں سے پانی آلودہ ہوا۔ ماحول کی آلودگی اس قدر بڑھی کہ روز اخباروں میں اس کا تذکرہ ہونے لگا۔ ماحولیاتی آلودگی میں جتنا اضافہ ہو چکا ہے، آج سے پہلے کبھی نہ تھا۔ یہ آلودگی مزید بڑھتی جا رہی ہے، جس کے منفی اثرات ماحول میں موجود ہر شے کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ درپیش ماحولیاتی مسائل ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں اور بعض مسائل تو بعید از گرفت ہو چکے ہیں۔ اس آلودگی کی نمایاں وجوہات میں آبادی میں اضافہ، شہر کاری اور بالخصوص صنعت کاری ہیں۔ دیہات کے فطری ماحول سے شہروں کے صنعتی ماحول کی سمت لوگوں کا جانا، خانہ بدوشوں کا شہروں میں جھونپڑیاں اور جھگیاں بنانا بھی وباؤں کا سبب ہے۔ ان حالات کے نتیجے میں جو مکتبِ فکر وجود میں آیا اسے ماحولیاتی تنقید کہا جاتا ہے۔ آئیے سب مل کر دیکھتے ہیں کہ اہلِ نظر اور اہلِ سخن نے اس کو کس پیرائے میں دیکھا ہے۔